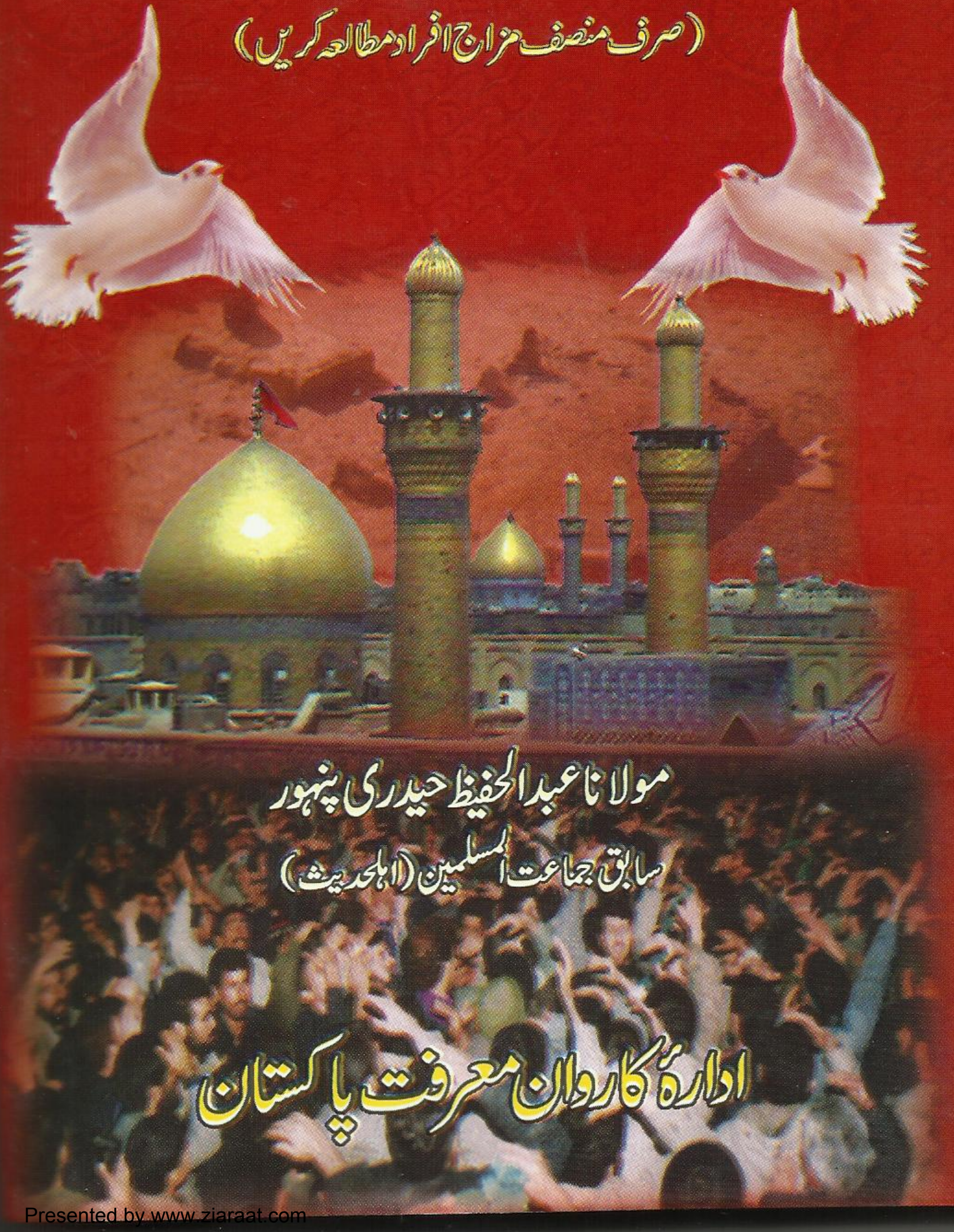
معرفتِ ماتم و فدک

(صرف منصف مزاج افراد مطالعہ کریں)



مولانا عبدالحفیظ حیدری پنہور

سابق جماعت المسلمین (اہلحدیث)

ادارۂ کاروانِ معرفت پاکستان

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.

منجانب.



سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

Knowledge for All
SABIL-E-SAKINA

۷۸۶
۹۲_۱۱۰
یا صاحب الزماںؑ ادرکنی

یا عباس

DvD Version

لبیک یا حسینؑ

خصوصی تعاون: نذر عباس
رضوان رضوی

اسلامی کُتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری ۔

NOT FOR COMMERCIAL

SABIL-E-SAKINA
Unit#8,
Latifabad Hyderabad
Sindh, Pakistan.
www.sabeelesakina.page.tl
sabeelesakina@gmail.com

معرفتِ ماتم وفدک

(چند موضوعاتِ گراں)

(صرف منصف مزاج افراد مطالعہ کریں)

مولف

مولانا عبدالحفیظ حیدری پنہور

سابق جماعت المسلمین (اہلحدیث)

ناشر

ادارۂ کاروان معرفت پاکستان

کتاب کی شناخت

نام کتاب: **معرفتِ ماتم وفدک**

(چند موضوعاتِ گراں)

مؤلف: مولانا عبدالحفیظ حیدری پنہور

تصحیح: مولانا خلیل احمد کمیلی

پروف ریڈنگ: جناب سیّد ذوالفقار حسین نقوی

مشینی کتابت: آغا کمپوزر

تعداد: ۱۰۰۰

طبع: اوّل

تاریخِ اشاعت: مارچ ۲۰۱۱ء

قیمت: ۲۰۰ روپے

طابع: سید غلام اکبر

﴿ملنے کا پتا﴾

ادارۂ کاروانِ معرفت پاکستان لاڑکانہ سندھ

احمد بکڈپو، رضویہ سوسائٹی، کراچی

رحمت اللہ بک ایجنسی، کھارادر، کراچی

محفوظ بک ایجنسی، مارٹن روڈ، کراچی

افتخار بکڈپو، اسلام پورہ، لاہور

حسن علی بکڈپو بڑا امام باڑہ، کھارادر، کراچی

نیشنل بک ڈپو، پنجگلہ چوک، خیر پور میرس

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

ابتداء کرتا ہوں اس رحمٰن و رحیم رب کے نام سے جس نے مجھے یہ توفیق عنایت کی کہ میں جناب سیدہؑ اور مولا حسینؑ کو حق پر سمجھتے ہوئے چند سطریں لکھنے کے قابل ہوا۔

ان دونوں ماں بیٹے نے کائنات میں ایسی روح پھونکی ہے کہ دنیا آج بھی اسی طرح معطر ہو رہی ہے جیسے اس دور میں تھی جب یہ دونوں ہستیاں موجود تھیں۔ رسول کریمؐ کبھی مولا حسینؑ کو نماز میں پشت پر اٹھاتے تھے تو کبھی جناب سیدہؑ کے لیے خود اٹھتے ہوئے نظر آتے تھے۔

ایسی عظیم نعمتیں خداوند عالم نے سید الرسلؐ کو عطا فرمائی تھیں کبھی جناب سیدہؑ کا تعارف بضعت منی سے کرایا اور کبھی مولا حسینؑ کا تعارف حسین منی سے کرایا۔

میں جب مذہب حقہ سے دور تھا اور معرفتِ حق نہیں رکھتا تھا اس وقت میرے ذہن میں یہ دونوں ہستیاں کسی نہ کسی حوالہ سے ضرور رہتی تھیں اور میں سوچتا رہتا تھا کہ کیا وجہ ہے کہ جو انبیاء کا سردار نبیؐ ہے جو معراج پر گیا تو انبیاءؑ انتظار میں تھے آئیں گے سید الانبیاءؐ اور جماعت کرائیں گے۔ وہ نبی یہاں زمین پر جب مسند رسالت پر بیٹھتا ہے اور اپنی ہی بیٹی جب حاضر ہوتی ہے تو سردار انبیاءؐ کھڑے ہو جاتے ہیں اور جناب سیدہؑ کے ہاتھ چومتے ہیں سر کا بوسہ لیتے ہیں اور اپنی مسند پر بیٹھنے کو کہتے ہیں۔ کیا وجہ ہے آخر ایک باپ اپنی ہی بیٹی کا کیوں ایسا استقبال کرتا ہے۔

یہ بات جب مجھے پریشان کرتی تو میں اپنے مولانا حضرات کے پاس جاتا اور پوچھتا کہ کیا وجہ ہے کہ ایک باپ اپنی بیٹی کا ایسا استقبال کرتا ہے۔ یہ بات سن کر میرے حافظ جی کبھی تو مجھے ڈانٹ دیتے اور کہتے کہ زیادہ سوال مت کیا کرو اور کبھی کہتے کہ یہ محبت ہے ایک باپ کی اپنی اولاد سے۔

یہ راز تو اس وقت کھلا جب میں مذہب شیعہ خیر البریہ کے علماء سے ملنے لگا اور ان ملاقاتوں میں زیادہ تر جو موضوع ہوتا تھا وہ جناب سیدہؑ کے حوالے سے ہوتا تھا کہ جناب سیدہؑ کو دربار سے خالی بھیجا گیا۔

اپنے حافظ و مفتی صاحبان سے جب بھی میں پوچھتا تو وہ ٹال دیتے تھے کچھ لیکن جب یہاں باتیں ہوتیں تو یہ لوگ مجھے واقعات سناتے اور کتابوں میں دیکھاتے تو میرے آنسوؤں نہ رکتے تھے کہ نبی کی بیٹی مسلمانوں کے سامنے اپنا حق مانگتی رہی اور مسلمان بجائے دینے کے رسول کریمؐ کا لکھا ہوا بھی چاک کرتے رہے۔

ایک مرتبہ میں نے کسی شیعہ کتاب میں جناب سیدہؑ کا وہ خطبہ پڑھا جو بی بی نے دربار میں دیا تھا۔ اس میں سب سے پہلے حمد خدا پھر مدحت رسولؐ پھر ذکر اہلبیتؑ اس کے بعد جب میں اس مقام پر پہنچا کہ بی بی نے وہاں موجود مسلمانوں کو مخاطب کیا اور فرمایا:

''اے قبیلہ بنی اوس و خزرج کے بیٹو! (قبیلہ بنی اوس اور بنی خزرج کی دادی کا نام تھا) کیا تمہیں یہ بات زیب دیتی ہے کہ مجھ سے میرے بابا کی میراث زبردستی چھینی جائے اور تم بیٹھے دیکھتے اور سنا کرو حالانکہ تم میرے حالات سے بخوبی باخبر ہو اور تمھاری اچھی خاصی تعداد ہے، جنگی اسلحہ و طاقت بھی تمھارے پاس ہے۔ میں تم کو اپنی مدد کے

لئے بلاتی ہوں تم اسے قبول نہیں کرتے میرا نالہ وفریاد تمہارے کانوں تک پہنچتا ہے مگر تم میری مدد نہیں کرتے ہو۔''

پڑھتے پڑھتے جب میں اس مقام پر پہنچا کہ بی بی فرماتی ہیں: ''میں تمھیں مدد کے بلاتی ہوں لیکن تم قبول نہیں کرتے۔ میرا نالہ وفریاد تمھارے کانوں تک پہنچتا ہے مگر تم میری مدد نہیں کرتے۔''

ان لفظوں پر میری طاقت جواب دے گئی اور سوچنے لگا کہ میں جناب سیدہؑ کی مدد کروں گا اور جناب سیدہؑ کے حق کو اجاگر کرنے کے لیے اور تو میں کچھ نہیں کرسکتا مگر اتنا تو کرسکتا ہوں کہ میں جناب سیدہؑ کے ''احوالِ فدک'' دنیا تک پہنچا سکوں یہی چیز کتاب ''معرفتِ ماتم وفدک'' لکھنے کا سبب بنا۔

فدک کے ساتھ ماتم امن پر تھوڑی روشنی ڈالتا جاؤں۔ فدک کے واقعہ تو وفات رسولؐ کے بالکل بعد کا ہے جب فوراً بعد وفات رسولؐ اہلبیتؑ کے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا تو شہادتِ امام مظلومؑ تو پچاس سال بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت تو لوگ اور زیادہ تیز ہو گئے تھے اور تاریخ لکھنے والوں نے بھی کوئی کمی نہ چھوڑی۔ اہلبیتؑ کے ساتھ بغض و عداوت رکھنے والوں نے اپنے ذوق کو بھی استعمال کیا ہے اور ذوق کے ساتھ وقت کی مصلحتوں کو بھی زیرِ نظر رکھا کہ جو سلاطین اہلبیتؑ کو چھوڑ کر مسند سلطنت پر براجمان تھے۔ لکھنے والوں نے ان کا خیال رکھتے ہوئے ایسی روایات کو چھوڑ دیا جس میں اہلبیتؑ کی شان اجاگر ہوتی تھی مثال کے طور پر جس طرح صاحب بخاری نے اہلبیتؑ سے حدیثیں لینے کے بجائے ان لوگوں سے حدیثیں لیں جو اہلبیتؑ سے بغض و عداوت میں مشہور تھے۔ میرا مقصد کسی پر تنقید کرنا نہیں ہے بلکہ تاریخ لکھنے والوں کو متوجہ کرنا ہے کہ اپنی

تاریخ میں یہ چیزیں بھی تولاناتھیں جو رسول کریمؐ نے اپنی زندگی میں اہلبیتؑ کے ساتھ روا رکھی ہیں۔ میں کم علم انسان تو یہ سمجھا کہ رسول کریمؐ اپنی زندگی میں جناب سیدہؑ کے لیے کھڑے ہو کر بتا رہے تھے کہ دیکھو میری سنت پر عمل کرنے والوں یہ وہ فاطمہؑ جس کے لیے میں رسول کھڑا ہو کر تمہیں بتا رہا ہوں کہ اگر کبھی میری غیر موجودگی میں فاطمۃ الزہراء دربار میں آجائے تو ان کا استقبال میری طرح کرنا نہ کہ فاطمہؑ تمھیں مدد کے لیے بلاتی رہیں اور تم کرسیوں پر بیٹھے رہو۔

سب سے زیادہ زیر بحث دو چیزیں رہتی ہیں ایک حق زہراءاور دوسرا ذکر مظلوم مولا حسینؑ۔ اس لیے میں نے کوشش کی ہے کہ میں ان دونوں موضوعات پر لکھ کر اپنی ذمہ داری پوری کروں۔

اس کتاب میں ہم نے یہ کوشش کی ہے کہ وہ روایات اور احادیث بیان کی جائیں جو ہر مکتب فکر قبول کرتا ہو اور ہم نے حوالہ میں کتاب کا نام صفحہ نمبر اس لیے بیان کیا ہے تا کہ قاری کو ثبوت لینے میں کوئی پریشانی نہ ہو اور وہ حق تک پہنچنے میں کوئی دقت محسوس نہ کرے۔ میں سمجھتا ہوں یہ کتاب میرے لیے زاد آخرت ثابت ہوگی۔

اس کتاب کی اشاعت، پروف ریڈنگ، تقاریظ لکھنے، مالی مدد کرنے اور حوصلہ افزائی پر میں محترم مولانا سید محمد عون نقوی، مولانا قمر عباس نقوی، مولانا وزیر حسین ترابی، مولانا خلیل احمد کمیلی، برادر قمر حسنین نقوی، برادر دلشاد زیدی، برادر غلام اکبر، برادر ولایت علی آغا، برادر آصف زیدی الحسینی اور ادارۂ کاروان معرفت پاکستان کے ذمہ داروں کا بے انتہا شکر گزار ہوں۔ نیز مولانا عبدالکریم ناپر کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحے اس کتاب کی تصحیح میں صرف کیے۔ خصوصاً

جناب ڈاکٹر فہیم عباس جعفر کا مشکور ہوں کہ جنہوں نے کتاب معرفت حق کی اشاعت کے سلسلے میں تعاون کیا۔ آخر میں اُن تمام معاونین کا بھی شکر گزار ہوں جن کے نام یہاں تحریر نہیں ہو سکے ہیں۔

میری دعا ہے کہ میری یہ حمایت اہلبیت معصومین علیہ السلام اور خصوصاً میرے وقت کے امامؑ اپنے دربار میں قبول فرمائیں اور خداوند عالم مجھے فرامین آل محمدؐ سے اپنے دل کو اور زیادہ منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے والدین کی مغفرت فرمائے اور ان کی لغزشیں معاف فرمائے۔ اگر کتاب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو یا کوئی مشورہ دینا ہو تو مجھے ضرور مطلع فرمایئے گا۔

عبدالحفیظ حیدری پنہور

سربراہ ادارہ کاروان معرفت پاکستان

لاڑکانہ

تقریظ

مولانا سید قمر عباس نقوی (لاڑکانہ)

کتابِ مستطاب معرفت ماتم وفدک مؤلفہ مولانا عبدالحفیظ پنہور کا بعض مقامات سے بغور مطالعہ کیا۔ الحمداللہ تحریر میں پختگی اور تحقیق میں خاص خیال رکھا گیا۔ چونکہ یہ دونوں موضوع یا دوسری جزوی اشیاء کہ جن کا ذکر اس کتاب میں کیا ہے، کتبِ فریقِ مخالف سے مضبوط روایات سے ثابت کیا گیا ہے۔ متلاشی حق کے لیے ایک مشعلِ راہ ہے اور بِـالَّتِـیْ هِـیَ اَحْسَـنُ کی ایک اچھی مثال ہے۔

امید ہے کہ آپ کی اس کوشش سے دینِ حق کی ترویج میں مدد ملے گی اور اللہ تعالیٰ اس مؤلف کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ آمین

سید قمر عباس نقوی
(بانی و پرنسپل درسگاہ ابوالفضل العباس)
(امام جمعہ مرکزی جامع مسجد جعفری لاڑکانہ)

تقریظ

مولانا عبدالحفیظ پنہور ایک گوہرِ نایاب

مولانا سید محمد عون نقوی (کراچی)

مولائے کائنات حضرت علیؑ کو اللہ نے روحیں تقسیم کرنے کا اختیار عطا فرمایا ہے۔ پاک ارواح اُن حضرات کو عطا ہوئیں جنہوں نے روزِ الست توحید، رسالتؐ اور ولایتؑ کا اقرار کیا اور جنگِ صفین میں اُن لوگوں پر مولا علیؑ نے تلوار نہیں چلائی جو لشکرِ مخالف میں تھے اور جن کی نسل سے قیامت تک ولایتؑ کے اقراری پیدا ہونے والے تھے۔ مولانا عبدالحفیظ پنہور بھی اُنہی خوش نصیب لوگوں میں شامل ہیں۔ بریلوی پھر دیو بندی پھر اہلحدیث اور آخر میں وہاں پہنچے جہاں پر جنتی کو آنا ہوتا ہے۔ خوش نصیب ہیں کہ اُن کے دروازے پر آئے جو کہ قبر میں مدد کرنے کا وعدہ فرماتے ہیں۔

مولانا عبدالحفیظ پنہور نے دروازۂ اہلبیتؑ پر آنے کے بعد صرف تقاریر کو ذریعہ معاش نہیں بنایا بلکہ ماضی کے علم کو جدید علم سے ہمکنار کرتے ہوئے کتاب تحریر کرنا، مدارس اور دینیات سینٹر میں تعلیم دینا اپنا فریضہ سمجھا۔ یہی سبب ہے کہ پنجاب، بلوچستان اور خیبر پختونخواہ میں آپ نے اپنی تبلیغ سے بہت سے گمشدہ راہ کو راہِ راست دکھلائی۔ جو کام قدیم شیعہ نہ کر سکے وہ اِن نہایت سادہ، شریف النفس بندۂ خدا نے کیا۔

آپ نے ''معرفتِ حق'' نامی کتاب تحریر کر کے اپنے مخلص اور دیانتدار ہونے کا

ثبوت دیا اور یہ کتاب ادارۂ تبلیغ تعلیمات اسلامی، آثار وافکار اکیڈمی اور اصلاح معاشرہ ٹرسٹ سے انعامات حاصل کر چکی ہے۔

زیرِ نظر کتاب ماتم اور فدک کے حوالے سے قرآن وسنت کے دلائل محکم رکھتی ہے جو کہ منصف مزاج لوگوں کو راہِ راست دکھانے اور حق پرستی کا علم بلند کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

تمام معزز اور صاحبانِ ثروت افراد کو مولانا عبدالحفیظ پنہور کی مدد کرنی چاہیے اور حوصلہ افزائی ضروری ہے تا کہ ان جیسے افراد پیدا ہوتے رہیں۔

خداوند متعال مولانا موصوف کی توفیقاتِ خیر میں اضافہ فرمائے۔ آمین

دعا گو

سید محمد عون نقوی

کراچی

تقریظ

مولانا وزیر حسین ترابی مناظر (خیر پور)

محترم مولانا عبدالحفیظ پنہور صاحب کی کتاب معرفت ماتم و فدک (موضوعات گراں) کا سرسری مطالعہ کیا۔محترم نے بڑی محنت سے مواد جمع کیا ہے۔ چونکہ یہ مسائل شیعیت کے بنیادی مسائل میں سے ہیں اس لیے ان شاء اللہ یہ کتاب متلاشیانِ حق کے لیے رہبری کا کام کرے گی۔

میں مولانا کے لیے بارگاہِ ربّ العزت میں چہاردہ معصومین علیہم السلام کے توسل سے دعا گو ہوں کہ مالک ان کی توفیقات میں اضافہ فرمائے اور ان کی سعی کو اپنی بارگاہ میں مشکور فرمائے۔

شیخ وزیر حسین ترابی عفی عنہ
میر علی بازار محلہ خیر پور

تقریظ

مولانا خلیل احمد کمیلی (کراچی)

مولانا عبدالحفیظ حیدری صاحب سے ہماری بہت عرصہ سے شناسائی ہے۔مولانا صاحب اکثر اپنی محفلوں اور مجالس میں جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے موضوع پر بہت بحث کرتے ہیں اور کیوں نہ کریں جبکہ خداوند عالم نے جناب سیدہؑ کو مرکز بنا کر تمام معصومینؑ کا ذکر فرمایا ہے۔ جیسا کہ حدیث کساء میں ہم پڑھتے اور سنتے ہیں کہ خداوند عالم نے جناب جبرئیلؑ کے پوچھنے پر جب اہل کساء کا تعارف کرایا تو فرمایا:

هم فاطمة و ابوها و بعلها و بنوها یعنی یہ فاطمۃ الزاہراؑ ہیں ان کے باپ محمد مصطفیٰؐ ہیں ان کے شوہر علیؑ مرتضیٰ ہیں ان کے بیٹے حسنؑ مجتبیٰ ہیں اور حسینؑ سید الشہداء ہیں۔اسی طرح سید الانبیاء نے فرمایا: الفاطمه بضعته منی "فاطمہ میرا ٹکڑا ہے" اور فرمایا: جس نے فاطمہ زہراؑ کو خوش کیا اس نے مجھے خوش کیا اور جس نے مجھے خوش کیا اس نے اللہ کو خوش کیا۔

مولانا صاحب نے حدیث رسولؐ کو دیکھتے ہوئے فدک پر لکھ کر جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو خوش کیا ان کی وجہ رسول کریمؐ اور خداوند کریم بھی خوش ہو گا۔ رب کریم مولانا صاحب کی توفیق میں اضافہ فرمائے اور ان کی تمام نیک حاجات پوری فرمائے اور چہاردہ معصومینؑ خصوصاً جناب سیدہؑ ان کی محنت کو ان کے اعمال کی قبولیت کا وسیلہ قرار دیں۔

مولانا خلیل احمد کمیلی

روداد

(مؤلف بریلوی سے دیوبندی پھر اہلحدیث اور آخر اثنا عشری)

راقم الحروف عبدالحفیظ پنہور ۱۹۵۴ء میں آبائی شہر شکار پور سندھ میں پیدا ہوئے۔ پڑدادا محمد بچل پنہور صاحب نے لاڑکانہ کے گاؤں ڈوکری گوٹھ امام بخش پنہور میں منتقل کر دیا۔ اس وقت میری عمر صرف تین سال تھی۔ ہم آٹھ بھائی ایک بہن ہیں جن میں سے ایک بھائی اور ایک بہن بڑے ہیں باقی سب چھوٹے ہیں۔ میرے والد محترم محمد عارف گوٹھ امام بخش پنور میں پیش نماز کے فرائض سرانجام دیتے تھے اور اپنے زمانے کے بڑے عالم دین تھے۔ میں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد محترم سے ہی حاصل کی ہے۔ قاعدہ کے بعد میں نے قلیل مدت میں قرآن مجید ختم کیا کیونکہ مجھے قرآن پڑھنے سے بڑی دلچسپی تھی۔ اُس وقت میری عمر بامشکل آٹھ برس ہوگی جب میں نے قرآن شریف ختم کر لیا تھا۔ پھر میں نے اسکول میں داخلہ لیا اور پانچویں تک تعلیم حاصل کی کیونکہ ہمارے گوٹھ میں صرف پرائمری اسکول تھا۔ اس کے بعد میرے والد نے مجھے بکریاں چرانے پر لگا دیا اور کہا کہ یہ انبیاء کرام علیھم السلام کی سنت ہے۔ بکریاں چرانے کے بعد شام کو میرے والد مجھے دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔ جب میں کچھ بڑا ہوا تو والد صاحب نے مجھے چاولوں کے کارخانے میں ملازمت دلا دی۔ کارخانے سے واپس آنے کے بعد جب بھی مجھے فرصت ملتی میں کوئی نا کوئی دینی کتاب پڑھتا تھا کیونکہ مجھے دین سے بہت محبت تھی۔

اب مجھے اتنی معلومات حاصل ہو گئیں تھیں کہ دین و مذہب میرے سمجھ میں آنے

لگے۔ جب میں نماز جمعہ میں جاتا تو بڑے غور سے مولوی صاحب کا وعظ سُنتا تھا اور جو حوالہ مولوی صاحب دیتے تو میں اُسے اپنی کاپی میں لکھ لیا کرتا تھا اور مجھے جو جیب خرچ ملتا تھا اُس سے کوشش کرتا تھا کہ وہ کتاب خرید کر خود پڑھوں۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ جو حوالہ مولوی صاحب دیتے ہیں وہ اکثر غلط ہوتے ہیں یعنی جس کتاب کے حوالے سے انہوں نے کوئی بات کہی ہوتی ہے وہ اس کتاب میں نہیں ہوتی ہے۔ جب میں مولوی صاحب سے جا کر پوچھتا تو یا تو وہ ڈانٹ دیتے یا پھر ٹال دیتے۔

آخر میں نے قرآن مجید کو ترجمہ کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ جب میں قرآن شریف کو ترجمہ کے ساتھ پڑھتا تھا تو میں خود کو کسی اور دنیا میں محسوس کرتا۔ اس طرح میں نے کئی بار قرآن شریف کو باترجمہ پڑھا۔ مجھے بڑا مزا آیا اور مجھے اپنی دنیا بدلی ہوئی محسوس ہوئی۔ میں نے محسوس کیا کہ لوگ قرآن مجید سے کوسوں دور ہیں۔ یہ تو صرف زبانی قرآن کو مانتے ہیں اور صرف قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں مگر قرآن پر عمل تو کوئی بھی نہیں کرتا ہے۔ میرے والد صاحب کہتے تھے، ہاں بیٹا! حقیقت یہی ہے۔

ابھی میں تعلیم کے مراحل سے گزر رہا تھا اور مطالعہ میں مصروف تھا کہ میرے والد نے میری شادی کر دی اُس وقت میری عمر صرف ۱۶ سال تھی۔ شادی کی وجہ سے مجھ پر اور زیادہ بوجھ پڑ گیا کیونکہ میرا بڑا بھائی شادی کر کے والد سے الگ ہو گیا تھا اس طرح گھر کی ذمہ داری مجھ پر آن پڑی جس سے میری پڑھائی بہت متاثر ہوئی اور کتابیں پڑھنے کا جو شوق مجھ میں تھا میں مالی مشکلات کی وجہ سے اُسے پورا نہیں کر پا رہا تھا۔ مالی مشکلات دور کرنے کے لئے میں نے سکھر، پھر حیدرآباد اور آخر کار کراچی کا سفر اختیار کیا۔ اور پیسے بچا کر کتابیں خریدنا شروع کیں۔

میرے والد صاحب جو اہلسنت والجماعت کے بریلوی مسلک سے تعلق رکھتے تھے

اُس نے ہمیں خالصاً بریلویت کی تعلیم دی تھی اس لے میرے بنیادی عقائد اپنے والد کے مذہب پر ہی تھے یہاں تک کہ میرے والد محترم انتقال فرما گئے۔ والد صاحب کی وفات کے بعد میں نے اپنے والد کی مسند سنبھال لی یعنی میں اُسی مسجد کا پیش نماز بن گیا جہاں والد صاحب پیش نمازی کیا کرتے تھے۔ میں نے گوٹھ میں بریلویت کی تبلیغ تیز کردی اور گیارویں، بارویں وغیرہ منانی شروع کی جو پہلے نہیں ہوا کرتی تھی۔ یہ میں نے کراچی سے سیکھا تھا۔

میرے بڑے بھائی عبدالحمید کی ملاقات تبلیغی جماعت یعنی دیو بندی مسلک کے لوگوں سے ہوئی انہوں نے میرے بھائی کو کیسٹ اور کتابیں دیں جن میں زیادہ تر کا موضوع توحید تھا۔ ان دیو بندیوں کے زیر اثر میرا بڑا بھائی عبدالحمید بریلوی سے دیو بندی ہو گیا۔ میری اپنے بڑے بھائی سے بحثیں شروع ہو گئیں۔ یہ تو میں نے پہلے ہی دیکھا تھا کہ بریلوی مسلک کے مولوی صاحبان جو حوالہ جات دیتے ہیں وہ جھوٹے ہوتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ بریلوی مسلک کے لوگ اسٹیج پر بیٹھ کر دیو بندیوں کو گالیاں دیتے ہیں حالانکہ قرآن مجید میں میں نے خود پڑھا تھا کہ " ادع الا سبیل ربک بلحکمت و المو عظت الحسنت و جا دلھم بالتی حی احسن" یعنی اے میرے حبیبؐ اپنے رب کے راستے کی طرف لوگوں کو حکمت کے ساتھ اور اچھے اخلاق کے ساتھ بلاؤ اور جب تمہارا کسی کے ساتھ مباحثہ ہو تو اچھے انداز سے بات کرو۔

پھر میری اپنے بڑے بھائی سے توحید پر کافی بحث ہوئی میں نے محسوس کیا کہ توحید کے حقیقی کاربند تو دیو بندی ہی ہیں اور بریلویوں کے اکثر عقائد و مراسم شرک کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور میں دیو بندی ہو گیا۔

بریلوی اور دیو بندی دونوں ہی حضرت ابوبکرؓ کو پہلا امام حضرت عمرؓ کو دوسرا امام، حضرت عثمانؓ کو تیسرا امام اور حضرت علیؓ کو چوتھا امام مانتے تھے۔ میرے ذہن میں یہ سوال

گردش کیا کرتا تھا کہ جب حضرت علیؑ ایمان لانے والوں میں پہلے ہیں اور پھر آنحضرتؐ کے بھائی بھی ہیں تو پھر ان کا نمبر چوتھا کیوں ہے؟

دیوبندی ہونے کا مجھے سب سے بڑا نقصان تو یہ ہوا کہ مجھ سے مسجد کی امامت چھین لی گئی، ایک دفعہ جمعہ کے خطبہ میں میں نے اپنے دیوبندی ہونے کا اعلان کیا تو سارے گوٹھ والے میرے خلاف ہو گئے۔ گوٹھ کی مسجد وڈیرہ قادر بخش خان اور وڈیرہ علی گوہر خان نے بنوائی تھی جو بریلوی تھے۔ ان کے والد وڈیرہ محمد اسماعیل خان نے کہا کہ تم وھابی ہو گئے ہو لہذا اب یہاں نماز نہیں پڑھا سکتے اور نہ ہی بچوں کو درس دے سکتے ہو۔ اس طرح مجھے چھٹی دے دی گئی۔

ایک قریبی گوٹھ واھوچہ میں غلام رسول ولد خدا بخش چنہ کی ایک چھوٹی سی مسجد تھی جو طویل عرصہ سے ویران پڑی تھی میں وہاں جا کر پیش نماز بن گیا۔ اس مسجد کی صفائی کی اور اذان نماز شروع کر دی اور آہستہ آہستہ تبلیغ کر کے گوٹھ کے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ تقریباً ۳۰ افراد ہمارے ساتھ دیوبندی ہو گئے۔ پھر ہم نے چندہ کر کے مولانا عبدالرزاق میکھو اور دو مزید دیوبندی علماء کو دعوت دی اور ایک بڑا جلسہ منعقد کروایا۔ اس کامیاب جلسہ کے بعد ایک اور جلسہ رکھا جس میں مولانا علی شیر حیدری اور علی شیر بروہی شکار پور والے کو بلوایا۔ اس کامیاب جلسے کو ناکام کرنے کی بریلویوں نے بڑی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکے تو میرے خلاف پروپیگنڈا کرنے لگے۔ یہاں تک کہ محمد صدیق سیال اور حافظ غلام شبیر نے مجھے قتل تک کرنے کی کوشش کی جس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اُسی رات مجھے خبر ملی کہ محمد صدیق سیال حافظ غلام شبیر کی بیوی کے ساتھ قتل ہو گئے ہیں۔ میں نے سوچا کہ میرا خدا بہت بڑا ہے جو مجھے قتل کرنے آئے تھے خود ہی قتل ہو گئے میں نے اسے خدا کی جانب سے راہ حق یعنی دیوبندی فرقہ اختیار کرنے پر تائید تصور کیا اور یہ محسوس کر لیا کہ دیوبندی مذہب ہی حق مذہب ہے۔

میں نے لاڑکانہ میں مزدوری کا کام شروع کردیا اور شام کو تبلیغ کا کام کرتا تھا اس طرح کئی سال گزر گئے۔ ایک دن گوٹھ کے ایک شخص امام الدین چنا نے مجھے بتایا کہ آج ہماری مسجد میں ایک شخص دین محمد آیا جو نماز پڑھتے ہوئے ہاتھ اُٹھارہا تھا (رفع دین کررہا تھا) جب میں نے اُس سے پوچھا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو اُس نے کہا کہ رسول خداؐ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔ اُس نے کہا کہ ہمارا گوٹھ گریلا شہر ہے وہاں ہماری جماعت کے بہت لوگ ہیں اور ہمارا امیر ڈاکٹر بشیر احمد بھی ہے تم وہاں آؤ بحث مباحثہ کرو تاکہ حق اور باطل کا پتہ چل جائے۔ چار دن کے بعد ہم چار آدمی میں، امام الدین، محمد صدیق اور محمد پنل گریلا شہر گئے۔ ہم چاروں دیوبندی تھے۔ وہاں ہماری ملاقات ڈاکٹر بشیر احمد صاحب سے ہوئی جو جماعت المسلمین کے امیر تھے۔ ہم جماعت المسلمین کو پہلے جانتے ہی نہیں تھے۔ ہم نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو ڈاکٹر صاحب نے فوراً صحیح بخاری نکال کر ہمیں دکھائی، ہم نے آج تک صرف صحیح بخاری کا نام ہی سُنا تھا۔ ہم صحیح بخاری اور اُس میں رفع دین والی حدیث دیکھ کر حیران رہ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے صحیح مسلم نکال کر دکھائی اور اُس سے بھی رفع دین ثابت کیا۔ کافی دیر تک ہماری اُن کے ساتھ بحث چلتی رہی۔ آخر ہم نے اگلی ملاقات کا وعدہ کر کے اجازت چاہی۔ ڈاکٹر صاحب نے ہمیں جماعت المسلمین کی جانب سے چھپی ہوئی چھوٹی چھوٹی کئی کتابیں دیں۔

میں نے جماعت المسلمین کا سارا لٹریچر ایک ہی رات میں پڑھ ڈالا۔ اس لٹریچر کے چند اہم نکات یہ ہیں:

۱) ہمارا حاکم ایک یعنی صرف اللہ تعالیٰ اس کے سوا کوئی نہیں۔

۲) ہمارا امام صرف ایک یعنی محمدؐ کوئی فرقہ وارانہ امام نہیں۔

۳) ہمارا دین صرف ایک یعنی اسلام کوئی فرقہ وارانہ مذہب نہیں۔

۴) ہمارا نام ایک صرف مسلم کوئی فرقہ وارانہ نام نہیں۔

۵) ہمارے فخر کا سبب ایمان ہے وطن یا زبان نہیں۔

٦) ہماری محبت کی بنیاد صرف ایک یعنی اللہ تعالی دنیاوی تعلقات نہیں۔

میں جماعت المسلمن کے لٹریچر اور نظریہ سے بہت متاثر ہوا۔ نماز فجر میں میرے دوست امام دین مجھ سے ملے تو میں نے رات کا حال بتایا اور دوبارہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ راستے میں ہم دونوں کی بڑی بحث ہوتی رہی۔ امام دین کا کہنا تھا کہ دیوبندی مذہب ہی حق ہے کیونکہ اس میں اتنے بڑے بڑے علماء ہیں اور ان کی تعداد بھی زیادہ۔ جماعت المسلمین والے بہت تھوڑے ہیں اور ان میں کوئی بڑا عالم بھی نہیں ہے لہذا یہ حق پر نہیں ہوسکتے۔ میں نے کہا بھائی امام دین قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **"قلیل ما تذکرون"** یعنی نصیحت تھوڑے ہی لوگ حاصل کرتے ہیں۔ اور قرآن مجید میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ **"ولٰکن اکثر الناس لا یومنون"** یعنی اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ میں نے کہا بھائی امام دین کہیں ایسا تو نہیں کہ دیوبندی جو اکثریت میں ہیں ناحق ہوں اور جماعت المسلمین والے جو قلیت میں ہیں حق پر ہوں۔ امام دین نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ اتنی بڑی جماعت گمراہ ہو؟ اس طرح باتیں کرتے کرتے ہم دونوں ڈاکٹر بشیر صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

جب ڈاکٹر صاحب کے ساتھ بحث شروع ہوئی تو ہم نے کہا کہ دیوبندی چونکہ اکثریت میں ہیں اس لئے وہی حق پر ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اگر دیوبندی حق پر ہیں تو قرآن مجید میں دیوبندیوں کا ذکر یا نام دکھا دو۔ اُن کے اس سوال پر ہم حیران ہو گئے جواباً میں نے کہا کہ اگر آپ حق پر ہیں تو آپ اپنا نام یعنی جماعت المسلمین کا نام قرآن مجید میں دکھا دیں؟ ڈاکٹر صاحب نے فوراً قرآن پاک کی آیت **"ھو سمکم المسلمین"** والی پڑھی یعنی اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔ یہ آیت سُن کر ہم دونوں یعنی میں اور امام دین ایک

دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ڈاکٹر صاحب نے ہمیں ایک حدیث بھی سُنائی اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دکھائی کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا" **تلزم جماعت المسلمین و اماسهم**" یعنی جماعت المسلمین کو لازم پکڑو اور اس کے امام کو۔ جب قرآن کی آیت کے ساتھ حدیث بھی دیکھی تو بڑے حیران ہوئے۔اس کے علاوہ بھی کئی موضوعات پر بحث ہوئی آخر ہم نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کہ ہم اپنے علماء سے رجوع کریں گے اور ہم واپس آ گئے۔

تحقیق کے لئے لاڑکانہ کا سفر:

واپس آنے کے بعد مجھ کو ساری رات نیند نہیں آئی۔صبح ہوتے ہی میں اور امام دین لاڑکانہ آئے اور دیوبندی عالم علی محمد حقانی صاحب سے ملے۔جب ہم نے ڈاکٹر صاحب کے دلائل ان کے سامنے رکھے اور کہا کہ دیوبندیوں کا حق ہونا قرآن وسنت سے ثابت کرو تو بجائے دلیل دینے کے مولانا علی محمد حقانی صاحب نے ہمیں گالیاں دینی شروع کر دیں اور ساتھ ہی جماعت المسلمین والوں کو بھی گالیاں دیں۔میں نے کہا آپ کے پاس صرف گالیاں ہی ہیں یا کوئی دلیل بھی ہے۔اُنہوں نے جواباً کہا کہ اللہ نے بھی تو گالیاں دی ہیں۔ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور غصہ بھی آیا کہ اب آپ اللہ پر الزام تراشی کرنے لگے ہیں۔ہم اس سے سخت دل برداشتہ ہوگئے کہ بجائے دلیل کے گالیاں مل رہی ہیں مولانا صاحب نے کہا کہ جماعت المسلمین والے تو جاہل ہیں اُن کو کیا دلیل پیش کی جائے اور پھر گالیاں دینا شروع کر دیں۔میرے دوست امام دین نے کہا کہ چلو یہ تو مجھے جماعت المسلمین والوں سے بھی زیادہ جاہل معلوم ہو رہے ہیں۔

اس نشست کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ جب تک حق کو نہیں پالوں گا آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔

تحقیق کے لئے شہداد کوٹ کا سفر:

دوسرے دن ہی میں نے تحقیق کے سلسلے میں شہداد کوٹ کا سفر کیا۔ میں شہداد کوٹ میں ایک دیوبندی مدرسے میں ظہر کی نماز پڑھنے کے غرض سے داخل ہوا۔ ایک بجے کا وقت تھا۔ ابھی میں وضو کر رہا تھا کہ مجھے آذان کی آواز سُنائی دی میں نے سوچا یہ اتنی جلدی آذان کی آواز کہاں سے آرہی ہے۔ میں نے ایک طالب علم سے پوچھا تو اُس نے بتایا کہ یہ جماعت المسلمین کی مسجد سے آذان کی آواز آرہی ہے۔ اُس نے مزید بتایا کہ یہ نئی جماعت ہے۔ مجھے تلاش بھی جماعت المسلمین کی ہی تھی اُس طالب علم نے مجھے جماعت المسلمین کی مسجد میں پہنچا دیا۔ میں جب مسجد میں پہنچا تو جماعت ہو چکی تھی۔ میں نے اپنی نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہوا تو ساری جماعت مجھ سے ملی۔ یہاں ان کے امیر عبدالحمید مغل صاحب تھے۔ میں نے اُن سے ڈاکٹر بشیر احمد سے ملاقات کا حال دیا تو انہوں نے مجھے ایک پرچہ دیا جس میں کچھ سوالات تھے۔ میں وہ پرچہ لے کر اُس دیوبندی مدرسے میں گیا وہاں حافظ غلام رسول صاحب مہتمم تھے اُن کو یہ پرچہ دیا کہ ان سوالات کے جوابات دیں۔ انہوں نے سوالات پڑھے اور مجھے کہا کہ تم یہاں فتنہ پھیلانے آئے ہو اور ہمارے طالب علموں کو خراب کرنا چاہتے ہو یہاں سے فوراً نکل جاؤ ورنہ تم کو زبردستی نکال دیں گے۔ میں نے کہا بھائی میں تو آپ ہی کی جمات یعنی دیوبندی جماعت کا ہوں آپ مجھے جواب دیں تا کہ میں انہیں مطمئن کر سکوں اور اپنے مذہب کو حق ثابت کر سکوں۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم ہمیں چھوڑ کر جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے تو اس سے ہمیں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میں وہاں سے مایوس ہو کر جماعت المسلمین کی مسجد میں آ گیا اور رات یہیں گزار کر صبح اپنے گھر واپس چلا گیا اور گھر پہنچ کر سارا حال اپنے دوست امام دین کو سُنایا۔

ایک ہفتہ میں بڑا پریشان رہا جماعت المسلمین کا لٹریچر پڑھتا رہا اور سوچتا رہا کہ آخر

حق کیا ہے اور کونسا فرقہ حق پر ہے کس فرقے کی پیروی میں آخرت کی نجات ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ میں خود کو جہنم کا ایندھن بنا دوں۔

تحقیق کے لئے شکار پور کا سفر:

پھر میں تحقیق کے غرض سے شکار پور چلا گیا وہاں میرے رشتے دار بھی تھے۔ اُن کے پاس رہائش اختیار کی اور شکار پور میں کئی دیوبندی مولوی صاحبان سے ملا۔ کوئی بھی میرے سوالات کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا اور بجائے جواب دینے کے مجھے کہتے تھے کہ تم گمراہ ہو گئے ہو۔ واپس دیوبندی مذہب میں آجاؤ یہی حق ہے مگر کوئی بھی حق ثابت نہیں کر پاتا تھا کوئی بھی دیوبندیوں کا ذکر قرآن وحدیث سے ثابت نہیں کر پاتا تھا۔ پھر میں شکار پور کے مشہور دیوبندی مولوی حافظ حبیب اللہ صاحب سے ملا جو بیر والی مسجد کے پیش نماز تھے۔ میں نے سوالات کا پرچہ اُن کے سامنے رکھا پڑھنے کے بعد مولوی حبیب اللہ صاحب کہنے لگے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ان غیر مقلدین کے پیچھے پڑ گئے ہو۔ میں نے پوچھا کہ یہ مقلد اور غیر مقلد کی ذرا وضاحت فرمائیں۔ انہوں نے کہا کہ غیر مقلد اُس کو کہتے ہیں جو اللہ اور رسول اللہ کی بات پر عمل کریں اور کسی امام کی تقلید نہ کریں۔ جب کہ مقلد وہ ہیں جو اللہ اور رسول اللہ کے ساتھ کسی امام کی پیروی کریں چونکہ ہمارے امام حضرت ابوحنیفہ ہیں لہذا ہم اُن کی تقلید کرتے ہیں۔ میں نے کہا یہ تو اچھی بات ہے کہ اللہ اور رسول اللہ کی تقلید کریں بجائے کسی امام کے۔ انہوں نے کہا نہیں فقہی مسائل کے لئے کسی نا کسی امام کی تقلید ضروری ہے۔ میں نے پوچھا حضرت ابوحنیفہ کو امام کس نے بنایا؟ کیا اللہ نے؟ یا رسول اللہ نے؟ یا حکمرانوں نے؟ یا لوگوں نے؟ یا وہ خود ہی امام بن گئے؟ اس نے کہا بھلا اللہ بھی کسی کو امام بناتا ہے؟ میں نے کہا اللہ ہی تو ہے جو امام بناتا ہے۔ اُس نے کہا اس کی کیا دلیل ہے؟ میں نے جواباً قرآن مجید کی آیت پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو کہا **انی جاعلک**

للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینا ل عھدی الظلمین (سورۃ البقرہ آیت ۱۲۴) یعنی اے ابراھیمؑ! میں تمہیں لوگوں کا امام بناتا ہوں حضرت ابرھیمؑ نے کہا میری اولاد میں بھی امام بنانا اللہ نے کہا ٹھیک ہے مگر تیری اولاد میں جو ظالم ہیں انہیں امام نہیں بناؤں گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ یہ صرف حضرت ابراھیمؑ کے لئے ہے۔ میں نے کہا کہ اس میں حضرت ابراھیم کی اولاد کو بھی امام بنانے کا وعدہ ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ حضرت ابراھیمؑ کی اولاد تو حضرت اسحاقؑ یا حضرت اسماعیلؑ ہیں۔ میں نے کہا چونکہ آنحضرتؐ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد سے ہیں لہذا اس آیت میں حضرت محمدؐ بھی ہیں۔ پھر میں نے ایک اور آیت پڑھی **واذ یرفع ابرا ھیم القوا عد من البیت واسما عیل ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ہ ربنا و جعلنا مسلمین لک ومن زریتنا امتہ مسلمتہ لک و ارنا منا سکنا و تب علینا انک انت التواب الرحیم ہ** اس کے بعد ایک دُعا ہے **ربنا و بعث فیلھم رسو لاً منھم** (سورۃ البقرۃ آیت ۱۲۷ تا ۱۲۹) یعنی اے میرے حبیبؐ! وہ وقت یاد کرو جب ابراھیمؑ اور اسماعیلؑ بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے اور دُعا مانگ رہے تھے اے ہمارے رب ہماری دُعا قبول فرما کیونکہ تو سمیع وعلیم ہے اور ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنا اور میری اولاد میں ایک جماعت اپنے لئے مسلم بنائے رکھ اور حج کرنے کا طریقہ بتا کیونکہ تو توبہ قبول کرنے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے (پھر حضرت ابراھیمؑ نے رسول اکرمؐ کے مبعوث ہونے کی دُعا فرمائی) اے میرے رب اسی جماعت میں جو مسلم ہو اسی میں ایک رسولؐ بھیج جو ان میں سے ہو۔

میں نے مولوی صاحب سے کہا کہ اگر بقول آپ کے حضرت ابرھیمؑ کی اولاد حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ پر ختم ہوگئی ہے تو اس آیت میں جس مسلم جماعت کا ذکر ہے وہ کونسی جماعت ہے اور جس رسولؐ کی مبعوث ہونے کی دُعا ہے وہ کون سے رسولؐ ہیں؟ مولوی

صاحب لاجواب ہو گئے تو میں نے کہا کہ وہ مسلم جماعت مسلمان ہیں اور رسول اکرمؐ انہی میں مبعوث ہوئے ہیں لہذا رسول اکرمؐ کا پورا خاندان مسلم ہوا۔ مولوی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا تو میں نے کہا کہ مولوی صاحب کچھ تو خیال کرو کہ جب آنحضرتؐ کا پورا خاندان مسلم ہوا تو پھر ہم اپنے کو چھوڑ کر کسی اور امام کی پیروی کیوں کریں؟ اور پھر دیوبندیوں کا یہ عقیدہ کے معاذ اللہ آنحضرت کے والد حضرت عبداللہؑ کافر تھے اور حضرت علیؑ کے والد حضرت ابوطالبؑ کافر تھے خود بخود باطل ہو جاتا ہے۔ اس پر مولوی صاحب غصے میں آ گئے اور کہنے لگے کہ آپ کے پاس اس بات کا کیا ثبوت ہے میں نے کہا بخاری شریف میں لکھا ہے کہ حضرت عبداللہؑ اور حضرت ابوطالبؑ کافر مر گئے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ قرآن سے ثابت کرو کہ یہ دونوں مسلمان تھے۔ میں نے آیت میثاق کی تلاوت کی **و اذاخذ الله ميثاق النبين لماا تيتكم من كتاب و حكمت ثم جا ئكم رسول مصدق لما معكم لتؤامننّ به ولتنصرنه** (سورۃ آل عمران آیت ۸۲) یعنی اے میرے حبیبؐ اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمام انبیاء سے عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت دے کر بھیجوں پھر ایک رسولؐ آئیں جو کچھ تمہارے پاس ہے اُس کی تصدیق فرمائیں تو تم ضرور اُن پر ایمان لانا اور ضرور اُن کی مدد کرنا۔

میں نے کہا کہ اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب محمدؐ عربی دنیا میں مبعوث ہوئے تو کون سے نبی تھے۔ اگر کوئی نبی نہیں تھا تو حرف اللہ پر آتا ہے اور پھر عہد لینے کا کیا مطلب؟ کون ہے جو نبی کریمؐ پر ایمان لایا اور کس نے نبی کریمؐ کی مدد کی؟ مولوی صاحب بالکل خاموش بیٹھے تھے تو میں نے کہا کہ وہ حضرت ابوطالبؑ ہی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کی مدد کی اور ایمان بھی لائے۔ مولوی صاحب غصے میں آ گئے اور کہا کہ تم کافر ہو گئے ہو نکل جاؤ یہاں سے۔ میں نے کہا مولوی تم جھوٹے ہو تمہارا مذہب جھوٹا ہے۔ مولوی نے مجھے مسجد

سے نکال دیا اور کہا کہ آئندہ یہاں مت آنا۔ میں واپس اپنے گھر (گوٹھ) آ گیا اور سوچتا رہا کہ آخر سچ کیا ہے اور حق کہاں ہے۔ مجھ پر یہ بات تو واضح ہو چکی تھی کہ دیو بندیوں کے پاس کچھ نہیں یہ حق پر نہیں ہو سکتے۔

تحقیق کے لئے شکار پور کا دوسرا سفر:

میرے دوست امام دین نے مجھے بتایا کہ ہمارے پرانے گوٹھ جلال پور نزد شکار پور میں ایک بزرگ عالم مولانا محمد عالم رہتے ہیں اُن سے ملنا چاہیے۔ ہم وہاں مولانا محمد عالم کے پاس پہنچ گئے۔ اُس وقت ہمارے ہاتھ میں جماعت المسلمین کے امیر مولانا سید مسعود احمد کی کتاب ''صلوٰۃ المسلمین'' تھی۔ میں نے وہ کتاب ان کے سامنے رکھی اور کہا کہ اب آپ ہمیں بتائیں کہ اس کتاب میں نماز کا جو طریقہ لکھا ہوا ہے وہ صحیح ہے یا غلط انہوں نے پڑھ کر کہا صحیح ہے۔ میں نے کہا پھر آپ نماز میں رفع دین کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا کہ ہمارے امام حضرت ابو حنیفہ نے رفع دین سے منع کیا ہے۔ میں نے کہا کہ آپ کلمہ رسول کا پڑھتے ہیں یا ابو حنیفہ کا؟ قیامت کے دن آپ نے اللہ کو جواب دینا ہے یا ابو حنیفہ کو؟ میں نے کہا بڑی حیرت کی بات ہے کہ کلمہ رسولؐ کا پڑھو اور پیروی اُمتی کی کرو۔ اس پر بزرگ مولانا محمد عالم ناراض ہو گئے اور کہا جاؤ میرا دماغ نہیں کھاؤ تم لوگ گمراہ ہو گئے ہو۔

میرے ساتھ مولانا ادریس چلے ہم دونوں دس کلومیٹر پیدل چلے۔ گرمی بھی سخت تھی۔ ہم دونوں جب پہنچے تو اس وقت مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ نماز پڑھنے کے بعد مولانا محمد عالم نے کہا کہ ہم آپ کے سوالوں کا جواب دیں گے ہم نے ان پر اعتماد کیا اور پھر ہم سو گئے کہ چلو اب صبح کو جواب مل جائیں گے۔ لیکن صبح چار بجے میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ جو میرے ساتھ ادریس صاحب سوئے تھے وہ اپنے بستر پر موجود نہیں تھے۔

ہم سمجھ گئے کہ اُن کے پاس بھی ہمارے سوالات کے جوابات نہیں ہیں۔ میں جتنے بھی

دیوبندی مولویوں سے ملا کسی نے بھی مجھے ان سوالات کا اطمینان بخش جواب نہیں دیا اور اب یہ بات میرے دل و دماغ میں بیٹھتی جا رہی تھی کہ دیوبندی اور بریلوی دونوں فرقے باطل ہیں اور جماعت المسلمین ہی حق پر ہیں اور قرآن مجید کی آیت بار بار میرے ذہن میں آ رہی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے **قل جآء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقا** یعنی اے میرے حبیب آپ فرما دیں کہ حق آ گیا اور باطل بھاگ گیا بے شک باطل بھاگنے والا ہی ہے۔

اگلے روز گھر واپس پہنچ کر میں نے امام دین سے مشورہ کیا کہ اگر ہم جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے تو یہ مسجد ہم سے چھن جائے گی اور جماعتی سب ناراض ہو جائیں گے۔ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ نماز جمعہ میں تمام نمازیوں کو حقیقت حال بیان کریں گے اور دلائل کے ساتھ اپنا عقیدہ بیان کریں گے انشاء اللہ کوئی نمازی بھی ادھر اُدھر نہیں جائے گا۔نماز جمعہ میں میں نے ساری حقیقت بیان کی اور گزشتہ ایک سال سے جو تحقیق کا کام کر رہا تھا جہاں جہاں سفر کئے تھے، جس جس سے ملاقات کی تھی، کیا کیا سوالات تھے اور اُن کے کیا جوابات ملے تھے سب بیان کر دیئے۔لوگ بڑے حیران ہوئے کہ آپ غریب آدمی ہیں باوجود اس کے آپ نے سفر بھی کیے اور کتابیں بھی خرید خرید کر پڑھیں۔بہر حال میں نے بتایا کہ اب تک کی جو میری تحقیق ہے اُس کے مطابق دیوبندی لوگ جھوٹے اور باطل پر ہیں اور جماعت المسلمین والے سچے اور حق پر ہیں۔نماز جمعہ کے اجتماع میں موجود تقریباً پچاس افراد میں سے صرف دو افراد عبدالرحیم اور حافظ غلام نبی نے اختلاف کیا اور باقی سارے جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے۔یہ ۱۹۸۶ء کی بات ہے جب ہم نے باقاعدہ جماعت المسلمین میں شمولیت اختیار کی۔ مگر وڈیرہ غلام رسول چنا نے ہمیں مسجد سے نکال دیا کیونکہ مسجد اُس کی بنوائی ہوئی تھی۔محمد صدیق کورینچو نے قریب ہی ہمیں زمین برائے مسجد دی ہم نے دن رات مل کر ایک کچی مسجد

تعمیر کی جہاں ہم نے نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ بھی شروع کردی۔ ۱۹۸۷ء میں جماعت المسلمین کا مرکزی اجتماع نشتر پارک کراچی میں ہوا۔ ہم بارہ افراد گوٹھ سے اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ تین دن ہم نے درس سُنے اور آخری دن مرکزی امیر سید مسعود احمد نے بیعت لینا شروع کی تو ڈاکٹر بشیر احمد صاحب نے کہا کہ آپ لوگ بھی بیعت کرلو۔ میں نے کہا کس چیز کی بیعت انہوں نے کہا جو امیر کی بیعت کرتا ہے وہ مسلم ہے اور جو بیعت نہیں کرتا ہے وہ کافر ہے۔ بیعت کرنے کے بعد ہم لوگ واپس گھر پہنچے تو سارا حال گھر والوں کو سُنایا سب خاموش رہے مگر میری بیوی نے کہا کہ کیا آپ پہلے غیر مسلم تھے جو اب بیعت کر کے مسلم ہوئے ہو؟ میں نے کہا ہاں ہم سچے مسلم تو اب ہوئے ہیں میری بیوی نے کہا کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے ماں باپ کافر تھے۔ مجھے اُس کی بات نے پریشان کردیا اور طرح طرح کے خیالات میرے ذہن میں آنے لگے مگر میں نے سارے خیالات کو نکال کر تبلیغ کا کام شروع کردیا۔ مگر میرے ذہن میں اب بھی بہت سارے سوالات تھے جن کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش میں کرتا رہتا تھا فرق صرف یہ تھا کہ پہلے دیو بندیوں سے سوالات پوچھتا تھا اب جماعت المسلمین والوں سے سوالات پوچھنے شروع کردیئے تھے۔

کراچی کا تحقیقی سفر:

ایک مرتبہ میں کراچی گیا تو وہاں جماعت المسلمین کے مرکز (مسجد جماعت المسلمین کھوکھراپار) میں ایک شخص احمد سے میری ملاقات ہوئی۔ یہ مرکزی امیر سید مسعود احمد صاحب کی کتابوں کا کاتب بھی تھا۔ اس نے مجھے اپنا واقعہ سُنایا اور کہا کہ میں اپنے گھر میں واحد مسلم ہوں باقی سب غیر مسلم ہیں۔ ایک دن میں نے اپنی جماعت سے کہا کہ چلو میرے والد کو تبلیغ کرو کہ وہ بھی مسلم ہو جائیں کیونکہ اُن کے مسلم ہونے سے سارا گھر مسلم ہو جائے گا۔ جماعتی جب میرے گھر آئے اور میرے والد سے کہا کہ چچا آپ مسلم ہو جاؤ تو میرے والد سخت

ناراض ہوئے اور پوری جماعت کو گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا۔ احمد کے اس واقعہ نے مجھ پر عجیب اثرات مرتب کئے اور میں سوچ میں پڑ گیا کہ واقعی ہمارے علاوہ باقی سارے غیر مسلم ہیں۔ جماعت المسلمین کے وجود میں آنے سے قبل جتنے بھی مسلمان گزرے ہیں وہ سب غیر مسلم تھے۔ اسلامی تاریخ، تفسیر، حدیث لکھنے والے علماء سب غیر مسلم تھے؟ کیا میرے ماں باپ، بہن بھائی عزیز رشتے دار سب جہنم میں جائیں گے کیونکہ یا تو غیر مسلم مر گئے یا پھر اب تک غیر مسلم ہیں۔ اس کے علاوہ بھی میں نے کئی سوالات سید مسعود صاحب اور دیگر جماعتی علماء سے کئے بعض کے جواب مل جاتے بعض پر وہ ٹال جاتے اور بعض کا جواب دینے کا وعدہ کرتے۔

خیر ان سوالات کے ساتھ میں گھر واپس آ گیا اور یہاں آ کر ہم نے باہم مشورہ سے جماعت المسلمین کا ایک اجتماع کرنے کا پروگرام بنایا۔ گوٹھ والوں نے شدید مخالفت کی اور جلسہ ناکام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ مگر ہم نے کراچی سے علماء کو بلا کر جلسہ کروا دیا۔

میری تبلیغ کے نتیجے میں نہ صرف یہ کہ مسلمان مسلم ہو رہے تھے یعنی جماعت المسلمین میں شامل ہو رہے تھے بلکہ دو ہندو جو میرے دوست تھے وہ بھی مسلم ہو گئے اور اُن کے نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن رکھے گئے۔ ان دونوں نے میری بڑی مدد کی اور مجھے کام بھی دلوایا۔ اس طرح زندگی گزرنے لگی۔ سکھر میں ایک دفعہ میرا جھگڑا ہو گیا ایک پٹھان سے جس کے ٹرک پر میں کام کرتا تھا۔ اس جھگڑے کے نتیجے میں پانچ سال تو کیس چلتا رہا اور پانچ سال کے بعد مجھے دس سال کی سزا ہو گئی اور مجھے مچھ جیل بھجوا دیا گیا۔ یہ خبر جب عبدالرحمٰن کو ملی تو وہ مجھ سے ملنے جیل آئے اور پھر جماعت المسلمین کے مرکزی امیر سید مسعود احمد تک خبر پہنچائی انہوں نے کہا کہ اس وقت میرا حکم نبی کریمؐ کے حکم کی طرح ہے جتنا پیسہ لگتا ہے لگاؤ اور عبدالحفیظ جو کہ جماعت المسلمین کا بہت بڑا مبلغ ہے اُن کو فوری طور پر رہا کرواؤ۔ عبدالرحمٰن نے کوشش شروع

کردی اور کراچی سے جہاز کے ذریعہ کوئٹہ پہنچے مخالف پارٹی سے ملاقات کی اور راضی نامہ کروا کر مجھے رہائی دلوائی۔ میں صرف دو ماہ جیل میں رہ سکا۔

اس کے علاوہ بھی بھائی عبدالرحمٰن کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں جس کے لئے میں ساری زندگی اُن کا مشکور و ممنون رہوں گا۔ جیل سے رہائی کے بعد میں کراچی گیا تا کہ امیر سید مسعود احمد کا شکریہ ادا کرسکوں

کراچی میں سید مسعود صاحب نے مجھے مدرسے میں داخل ہونے کے لئے کہا تا کہ باقاعدہ ایک عالم بن جاؤں۔ انہوں نے مجھے کراچی میں کرایہ کا مکان لے دیا میں اپنے بچوں کو بھی کراچی لے آیا اور مجھے گھر کے خرچے کے لئے ماہانہ وظیفہ بھی ملنے لگا۔ ایک دفعہ میرے گھر والوں کی طبعیت خراب ہوگئی تو میری بیوی نے مجھے سکھر لے جانے کو کہا۔ میں اپنی بیوی بچوں کو سکھر لے گیا اور کچھ دنوں کے لئے انہیں وہیں چھوڑ کر خود کراچی آ گیا۔ اس بات کی اطلاع مرکزی امیر سید مسعود صاحب کو ہوگئی تو بڑے ناراض ہوئے کہ میری اجازت کے بغیر کیوں گئے۔ میرا حکم تو رسول اللہؐ کے حکم کے برابر ہے۔ ایک ہفتہ اس ناراضگی کے عالم میں گزر گیا۔ میں نے سوچا کہ مکان کا کرایہ مفت میں جارہا ہے اس لئے مکان خالی کر کے سامان مرکزی دفتر (مسجد) لے گیا۔ امیر صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو حکم دیا کہ سامان اُٹھا کر باہر پھینک دو۔ اب میرا سامان روڈ پر پڑا تھا۔ میں بہت پریشان تھا کہ اس عالم میں مدرسے کے ایک طالب علم دوست نے میرا سامان اپنے گھر میں رکھوا دیا۔

میں اُس کے ساتھ رہنے لگا اور ساتھ ہی اپنی پڑھائی بھی جاری رکھی۔ ہمیں یہ بتایا گیا تھا کہ دیوبندی سے بحث کرو، بریلوی سے بحث کرو مگر شیعہ سے بالکل بحث مت کرنا کیونکہ وہ گستاخ صحابہؓ ہیں، گستاخ ازواج النبیؐ ہیں اور قرآن مجید میں تحریف کے قائل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ہم چند ہی منٹوں میں دیوبندی اور بریلوی کو خاموش کر دیتے تھے صرف اتنا کہہ کر کے

اللہ نے ہمارا نام مسلم رکھا ہے تو پھر تم دیو بندی، بریلوی، سُنی وغیرہ کیوں ہو۔ اس کے علاوہ بھی ہمارے پاس بڑے دلائل تھے اور ہم کسی بھی فرقے کے بڑے سے بڑے عالم کو خاموش کر دیتے تھے۔ ہمیں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ صرف امیر سید مسعود احمد صاحب کی کتابوں کا ہی مطالعہ کیا کرو اور باقی کتابیں مت پڑھا کرو۔ درس کے دوران جب ہم صحاح ستہ کا مطالعہ کرتے تو صحیح بخاری جس کے بارے میں ہمیں بتایا گیا تھا کہ قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے میں نے ایسی روایتیں پڑھیں کہ میرا دماغ گھوم گیا اور میں سوچ میں پڑ گیا کہ واقعی یہ سب کچھ سچ ہے۔ مثلاً ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں اور رسول اللہؐ ایک ہی برتن سے ساتھ ساتھ غسل کیا کرتے تھے (صحیح بخاری کتاب الغسل حدیث نمبر ۲۵۰ جلد ا صفحہ ۱۸۴)۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ آج کل کے ماڈرن دور میں بھی کوئی عورت اپنی سہلیوں کی محفل میں بیٹھ کر ایسی بات نہیں کر سکتی تو پھر حضرت عائشہؓ کیونکر صحابہؓ کی محفل میں ایسی بات کر سکتی ہیں۔ بھلا کوئی عورت یا مرد بھی اپنے گھر کی پرائیوٹ باتیں باہر کیسے کر سکتے ہیں؟ اس سے بڑھ کر یہ کہ "حضرت عائشہ کا ایک (رضائی) بھائی (عبداللہ بن یزید) اُن کے پاس گئے ان کے بھائی نے ان سے پوچھا آنحضرتؐ (جنابت کا غسل) کیونکر کرتے تھے انہوں نے ایک برتن منگوایا جس میں ایک صاع برابر پانی تھا پھر انہوں نے غسل کیا اور اپنے سر پر پانی بہایا اور ہمارے اور اُن کے درمیان میں ایک پردہ پڑا تھا (صحیح بخاری کتاب الغسل حدیث نمبر ۲۵۱ جلد ا صفحہ ۱۸۴) اس روایت نے تو میرے ہوش اُڑا دیئے۔ بھلا یہ کیونکر ممکن تھا کہ ایک عورت وہ بھی ام المومنین کسی مرد یا کئی مردوں کے سامنے غسل کر کے انہیں دکھائیں۔ میں نے سوچا کہ اگر تو حضرت عائشہؓ نے ایسا کیا ہے تو بہت غلط بات ہے ورنہ صحیح بخاری غلط بخاری ہے۔ میں نے جب یہ سوال امیر سید مسعود احمد صاحب سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بڑے غصے سے جواب دیا کہ اگر ایسی باتیں نہ کی جاتیں تو شرعی مسائل

سے آگاہی کیسے ہوتی۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ اول تو اس روایت میں کوئی شرعی مسئلہ بیان ہی نہیں ہوا ہے دوئم اگر ہے بھی تو کوئی مرد یہ بات کر سکتا تھا یعنی کوئی صحابیؓ اور سوئم یہ کہ اگر بیان کرنا ہی ضروری تھا تو بس ایک دفعہ کافی تھا مگر مجھے افسوس اس بات پر ہوا کہ ایسی غسل والی کئی روایتیں ہیں۔

میں سوچنے لگا کہ اگر ایسی روایتیں ٹھیک ہیں تو پھر شیعہ لوگ ٹھیک ہیں جو گستاخی کرتے ہیں بھلا کوئی بھی غیرت مند شخص کیونکر یہ برداشت کر سکتا ہے کہ اُس کے رسولؐ اور ازواج الرسولؐ کے غسل کے قصے کتابوں میں درج کر دیئے جائیں۔ جب میں نے یہ سوال کیا تو مجھے کہا گیا کہ بعض روایتیں ضعیف ہیں۔ میں نے کہا آپ تو کہتے تھے کہ اس کتاب کی ہر روایت صحیح ہے اب کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے آپ کی کون سی بات سچی ہے۔ اس پر سید مسعود صاحب غصے میں آ گئے اور مجھے محفل سے نکال دیا۔ اور میرے ساتھیوں کو کہا گیا کہ اس پر نظر رکھو کہیں یہ شیعوں سے تو ملتا جلتا نہیں ہے اور کہیں یہ شیعوں کی کتابیں تو نہیں پڑھتا ہے۔

جب میں کمرے سے باہر جاتا تو میرے کمرے کی تلاشی لی جاتی کہ کہیں شیعہ کتابیں تو اسکے پاس نہیں ہیں۔ میں سوچتا تھا کہ شیعہ کتابیں پڑھنے کی کیا ضرورت ہے۔ بخاری ہی کافی ہے۔ لیکن میری جستجو میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کہ آخر شیعہ کتابوں میں ایسا کیا ہے کہ ہمیں پڑھنے سے منع کیا جاتا ہے مگر کیا کرتا نہ کسی شیعہ کو جانتا تھا اور نہ کسی شیعہ کُتب خانے سے واقفیت تھی کہ کتاب لے کر پڑھتا۔

صحیح بخاری کے مطالعہ کے دوران بخاری شریف کی ایک اور روایت میری نظر سے گزری کہ ''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہؐ بہت بیمار ہوئے تو آپؐ نے فرمایا کہ لکھنے کا سامان لاؤ میں تمہارے لئے ایک کتاب لکھ دوں تا کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔

حضرت عمر نے کہا کہ آنحضرتؐ کو بیماری کا غلبہ ہے اور ہمارے پاس اللہ کی کتاب ہے جو ہم کو کافی ہے۔لوگوں نے اختلاف شروع کیا اور غل مچ گیا آپؐ نے فرمایا چلو اُٹھو میرے پاس لڑنے جھگڑنے کا کیا کام۔ابن عباسؓ (نے جب یہ حدیث بیان کی تو یوں) کہتے ہوئے نکلے ہائے مصیبت وائے مصیبت جس نے آنحضرتؐ کو یہ کتاب نہیں لکھنے دی (صحیح بخاری کتاب العلم جلد ۱ صفحہ ۱۵۴) یہ حدیث قرطاس کہلاتی ہے اور صحیح بخاری میں کئی مقامات پر ہے۔یہ حدیث پڑھ کر میرے ذہن میں قرآن مجید کی وہ آیت آ گئی جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے **یایها الذین امنو لاترفعو آ اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجهرو ا له بالقول کجهر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم و انتم لاتشحرون ا لذین یغضون اصواتهم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبهم للتقویٰ لهم مغفرة و اجر عظیم** (سورۃ الحجرات آیت ۲ تا ۳) مومنو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ کرو اور نہ ہی آپؐ کے ساتھ زور سے باتیں کرو، جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے سامنے آہستہ آواز سے بولتے ہیں، خدا نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزما لئے ہیں، ان کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

بخاری شریف کی حدیث قرطاس اور قرآن مجید کی آیت حجرات کو جب میں نے ملا کر پڑھا تو بڑا ہی خطرناک نتیجہ سامنے آیا یعنی جن لوگوں (صحابہ کرامؓ) نے رسول اللہؐ کے پاس شور وغل کیا اُن کے اعمال تو ضائع ہو گئے اور پھر اتنا شور وغل کہ نبی کریمؐ کو فرمانا پڑا کہ میرے پاس سے اُٹھ جاؤ۔اسی طرح ایک اور آیت میرے ذہن میں آئی جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ''جو رسولؐ دے وہ لے لو اور جس سے روکیں رُک جاؤ'' (سورۃ الحشر آیت ۷) مگر اس حدیث قرطاس کے مطابق رسول کچھ لکھ کر دینا چاہتے ہیں مگر حضرت عمرؓ لینے سے انکار کر رہے ہے

تھے۔میں بڑے شش و پنج میں پڑ گیا کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ بھلا ایسا کیونکر کر سکتے تھے۔اب تو مجھے یقین ہو گیا کہ بخاری نے غلط لکھا ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔جب میں صحیح بخاری اور اس کے مصنف عبداللہ بخاری کے بارے میں سید مسعود احمد صاحب سے پوچھتا تو وہ اس کی بڑی حمایت کرتے اور تعریفیں کرتے مگر جب میں ان روایتوں کے بارے میں پوچھتا تو وہ غصے میں آجاتے اور کہتے کہ تم شیعوں جیسی باتیں کرنے لگے ہو۔میں سوچ میں پڑ جاتا کہ قرآن کو صحیح مانوں یا بخاری کو اللہ سچا ہے یا مُلا۔اس دوران میں نہ تو کسی شیعہ سے ملا تھا اور نہ ہی کوئی شیعہ کتاب پڑھی بلکہ دیکھی بھی نہیں تھی مگر میرے جماعتی اور مدرسہ کے طالب علم خصوصاً سید مسعود احمد مجھے شک کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور سب سمجھنے لگے کہ میرا شیعوں سے کوئی نا کوئی رابطہ ہے حالانکہ خدا جانتا ہے اُس وقت تک میرا کسی شیعہ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔

بخاری کے مطالعہ کرتے کرتے مجھے ایک اور حدیث ملی جو حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ''بی بی سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا جو رسول اللہ کی بیٹی تھیں بعد وفات رسولؐ حضرت ابو بکرؓ کے پاس گئیں اور رسول اللہؐ کا ترکہ مانگا (یعنی اپنا حصہ مانگا) جیسے باغ فدک وغیرہ حضرت ابو بکرؓ نے کہا یہ کیونکر آپ کا حصہ ہو سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے ہم پیغمبروں کا کوئی وارث نہیں ہوتا جو ہم چھوڑیں وصدقہ ہے۔یہ سُن کر جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیھا غضبناک ہوئیں انہوں نے حضرت ابو بکر سے ترک تعلق کر لیا اور وفات تک ان سے نہ ملیں اور نہ ہی کلام کیا (صحیح بخاری کتاب جہاد والسیر جلد۲ صفحہ۱۹۱ مطبوعہ مکتب رحمانیہ) جب میں اس حدیث کے متعلق سید مسعود احمد صاحب سے پوچھا تو وہ خاموش ہو گئے صرف اتنا کہا کہ حدیث صحیح ہے۔اسی بخاری میں میری نظر سے وہ حدیث بھی گزری جس میں رسول اللہ نے فرمایا ''فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے جس نے ان کو غضبناک کیا اُس نے مجھے غضبناک کیا اور جس نے مجھے غضبناک کیا اُس نے خدا کو غضبناک کیا (صحیح بخاری جلد۳ صفحہ۲۳۴) یہ دو حدیثیں پڑھ کر

میرے ذہن میں قرآن مجید کی وہ آیت آگئی جس میں ارشاد رب العزت ہے "غیــــر المغضوب علیهم" (سورۃ الفاتحہ آیت ۷) یعنی اے خدا ہمیں اُن کے راستے پر نہ چلا جن پر تو غضبناک ہوا۔ میرے لئے تو بڑی مشکل صورتحال پیدا ہوگئی ایک طرف ہم دُعا کرتے ہیں کہ اے اللہ اُن کے راستے سے بچا جن پر تو غضبناک ہے۔ رسول اللہ فرماتے ہیں جس پر میں غضبناک اُس پر اللہ غضبناک اور جس پر فاطمہؑ غضبناک اُس پر میں غضبناک اور جناب سیدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا حضرت ابو بکر پر غضبناک رہیں۔ جب ان دونوں حدیثوں اور قرآن کی آیت کو سید مسعود احمد صاحب کے سامنے پڑھا تو وہ غضبناک ہو گئے۔ سخت غصے میں آگئے بلکہ برھم ہو گئے اور مجھے اپنی محفل سے اُٹھا دیا۔ میں نے سوچا کہ ایک طرف اُن کے راستے پر نہ چلنے کی دُعا کرتے ہیں اور دوسری جانب انہی کے راستے پر چلتے بھی ہیں۔ اب تو میرا مدرسہ سے نکلنا بھی بند کر دیا گیا۔ اگر میں کبھی نکلتا تو ایک طالب علم میری جاسوسی کر رہا ہوتا کہ میں کسی شیعہ سے تو نہیں ملتا۔ میں یہ تو سمجھ گیا کہ شیعہ بھی ایسے ہی سوالات کرتے ہوں گے اس لئے یہ لوگ (بریلوی، دیو بندی، اہلحدیث اور جماعت المسلمین والے) شیعوں کے خلاف ہیں۔ اب میرے دل میں شیعوں کے لئے ہمدردی پیدا ہونے لگی اور مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ شیعوں کو ہی رسول اللہؐ اور اولا د رسولؐ سے محبت ہے اور رسولؐ اور اولا د رسولؐ کے دشمنوں سے نفرت کرتے ہیں۔

میں نے سید مسعود صاحب سے اور بھی کئی سوالات کیے مثلاً وضو کی آیت کے متعلق کہ جو طریقہ وضو کا قرآن میں لکھا ہے ہم اُس طرح وضو کیوں نہیں کرتے یعنی وضو میں سر کے ساتھ گردن اور کانوں کا بھی مسح کرتے ہیں اور پاؤں پر مسح کرنے کے بجائے دھوتے ہیں حالانکہ نہ پاؤں دھونے کا حکم ہے اور نہ ہی گردن و کانوں کے مسح کرنے کا۔ مسعود صاحب نے جواب دیا کہ زیادہ ہی تو کرتے ہیں یہ کون سی بُری بات ہے بلکہ یہ تو اچھی بات ہے۔ میں نے

کہا اگر یہ اچھی بات ہے تو فجر کی نماز دو کی جگہ تین رکعت پڑھ لیا کریں زیادہ ہی تو پڑھی ہے یہ بھی اچھی بات ہے اس پر وہ غصے میں آ گئے۔ایک دن میں نے کہا روزہ کھولنے کا جو وقت قرآن میں ہے ہم اُس وقت روزہ کیوں نہیں کھولتے ،سفر کے دوران باوجود قرآن کے منع کرنے کے روزہ کیوں رکھتے ہیں فرمانے لگے پرانے زمانے میں سفر بڑے تکلیف دے تھے اب آسانی ہے لہذا روزہ قصر کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے کہا پھر تو نماز بھی قصر کرنے کی ضرورت نہیں پوری چار رکعت پڑھنی چاہیئے دو رکعت کیوں پڑھی جاتی ہے تو کہنے لگے تم بہت فضول باتیں کرنے لگے ہو۔ایک دن میں نے پوچھا کہ سورہ تحریم میں جن دو ازواج النبیؐ کا ذکر ہے کہ وہ رسول اللہؐ کے خلاف سازش کر رہی تھیں وہ کون ہیں اور کیا سازش کر رہی تھیں؟ فرمانے لگے ازواج تو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ ہیں اور سازش کا معلوم نہیں کیونکہ اللہ نے بھی اسے چھپایا ہے۔ میں نے کہا اگر آپ کی بیوی آپ کے خلاف سازش کرے تو آپ کیا کریں گے وہ غصے میں آ گئے اور کہا کہ تم بھی شیعہ کافر ہو گئے ہو۔میرے اکثر سوالات کے جوابات میں صرف یہ کہا جاتا کہ تم شیعہ ہو گئے ہو۔ حالانکہ خدا جانتا ہے کہ اُس وقت تک مجھے نہ شیعوں کے بارے میں کچھ معلوم تھا اور نہ میں کسی شیعہ سے ملا تھا یا کوئی شیعہ کتاب پڑھی تھی بلکہ میری نظر میں تو شیعہ کافر تھے کیونکہ ہمیں یہی بتایا گیا تھا مگر جماعت المسلمین کی مسجد اور مدرسے میں مجھے شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ایسی صورت میں میں نے بہتر سمجھا کہ میں یہاں سے چلا جاؤں لہذا میں نے سکھر جا کر سکونت اختیار کر لی اور وہیں تبلیغ کا کام بھی شروع کر دیا۔البتہ میرے دل میں شیعوں کے متعلق جاننے اور پڑھنے کا شوق ضرور پیدا ہو گیا۔سکھر میں میں نے جماعت المسلمین کی مسجد میں ۸ سال پیش نمازی کی اور جماعت المسلمین کی خوب تبلیغ بھی کی۔

تبلیغ کے لئے قلات اور مکران کا سفر:

جب میں سکھر میں مقیم رہ کر پیش نمازی اور جماعت المسلمین کی تبلیغ میں مصروف تھا اُس وقت میں نے دو اہم کام کیے

(۱) ایک تو یہ کہ تبلیغ کی خاطر قلات ڈویژن صوبہ بلوچستان اور مکران ڈویژن صوبہ بلوچستان کا دورہ کیا۔ اس دورہ میں میں اور بھائی عبدالرحمٰن قلات، خضدار، مشکے، وڈھ، پنجگور، تربت، گوادر، پسنی وغیرہ اور ان کے مضافات کے گوٹھوں میں گئے اور جماعت المسلمین کی خوب تبلیغ کی۔ ہمارے دورے سے قبل ان علاقوں میں جماعت المسلمین کو کوئی جانتا بھی نہ تھا یعنی ان علاقوں میں جماعت المسلمین کے بنیاد گزار ہم ہی ہیں۔

(۲) بجائے کسی مخصوص مکتب فکر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کی آزاد طالب علم کی حیثیت سے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا۔ یعنی جب میں بریلوی تھا تو صرف بریلوی مکتب فکر کی کُتب کا ہی مطالعہ کرتا تھا، جب دیوبندی ہوگیا تو صرف دیوبندی فرقے کی کتابوں کا مطالعہ کرنے لگا اور جب جماعت المسلمین میں شامل ہوا تو صرف جماعت المسلمین کی کتابوں کا مطالعہ کیا کیونکہ باقی فرقوں کو تو ہم مسلمان سمجھتے ہی نہیں تھے صرف جماعت المسلمین والوں کو ہی مسلم جانتے تھے۔ لیکن مجھ پر شیعہ ہونے کا الزام لگنے اور سکھر واپس آنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ بجائے کسی ایک مکتب فکر کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے آزاد مطالعہ کیا جانا چاہیے۔ قدیم کتابوں سے استفادہ کیا جانا چاہیے اور ہر مکتب فکر کی کتابوں کا مطالعہ کیا جانا چاہیے، اس نظریے کے تحت قدیم مورخین، محدثین، اور مفسرین کا مطالعہ شروع کیا۔ گوکہ یہ شوق مہنگا بہت تھا مگر الحمداللہ اُس وقت تک ایک تو میرے مالی حالات بہتر ہو گئے تھے اور دوسرے کتابیں خریدنے کی بجائے لائبریوں میں جا کر مطالعہ کرنے لگا۔ البتہ بعض اہم کتابیں خریدیں بھی ہیں۔ اس تحقیقی دور میں جو واقعاً تحقیقی دور تھا میں نے ابن کثیر، ابن اثیر، ابن

خلدون، ابن خلکان، ابن سعد، طبری، طبرانی، غزالی اور دیگر اہم اور مستند مصنفین سے استفادہ کیا علاوہ ازیں صحیح بخاری کے علاوہ صحاح ستہ کی دیگر کُتب کا بھی مطالعہ کیا اور آئمہ اربعہ کے کتابوں سے بھی استفادہ کر کے ان کے اختلافات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ البتہ اس دور میں بھی شیعہ کُتب کو پڑھنے کا بہت کم اتفاق ہوا یا یوں کہیں تو بہتر ہوگا کہ شیعہ کُتب کے بارے میں جو منفی رائے شروع سے میرے دل و دماغ میں تھی وہ ابھی تک موجود تھی۔

سکھر میں ہی قیام کے دوران مجھے اطلاع ملی کہ جماعت المسلمین کے مرکزی امیر سید مسعود احمد انتقال فرما گئے ہیں اور اُن کی جگہ اُن کے شاگرد خاص محمد اشتیاق صاحب کو امیر مقرر کیا گیا ہے اور اب اُن کی بیعت لی جارہی ہے۔ سید مسعود صاحب میرے اُستاد بھی تھے اور محسن بھی اور اُس وقت میں مکمل نظریاتی طور پر جماعت المسلمین کا رکن تھا مگر اب صورتحال مختلف تھی۔ ایک تو کئی سوالات تھے جن کے جوابات ابھی مجھے نہیں ملے تھے جس کی وجہ سے خود جماعت المسلمین میرے نزدیک مشکوک ہو چکی تھی اور میں ابھی تک حقیقی حق کی تلاش میں تھا دوسرے یہ کہ مولانا محمد اشتیاق صاحب ہمارے ہم عصر تھے اور اُن کی علمی حیثیت بھی کچھ خاص نہیں تھی تیسرے یہ کہ بیعت لینے کا طریقہ میری نظروں میں درست نہیں تھا۔ میری نظر میں بیعت یا تو نبی کی کی جاتی ہے یا پھر نبی کے خلیفہ کی۔ جب کہ اشتیاق صاحب نہ تو نبی تھے اور نہ ہی نبی کے خلیفہ۔ جب میں نے اس حوالے سے جماعت کے دیگر ساتھیوں اور آخر کار خود اشتیاق صاحب سے استفسار کیا تو انہوں نے اور باقی سب ساتھیوں نے کہا کہ اشتیاق صاحب خلیفہ کی حیثیت سے بیعت لے رہے ہیں۔ اب یہاں پر خلافت اور خلیفہ میرے لئے ایک مسئلہ بن گیا اور ایک نئے سوال نے جنم لیا کہ نبی کا خلیفہ کون ہوگا، کیسا ہوگا، اُس میں کیا خوبیاں اور صلاحیتیں ہونی چاہیں، خلیفہ بنانے کا حق کس کو ہے یعنی اللہ کو، لوگوں کو، حکومت کو یا کسی اور کو وغیرہ وغیرہ۔ یہ خلافت کا مسئلہ تھا جس نے مجھے شعیت کی جانب راغب کیا وہ اس

طرح کہ خلافت کے مسئلہ پر میں نے مولانا سید ابو اعلیٰ مودودی کی کتاب خلافت اور ملوکیت کا مطالعہ کیا جس نے میری آنکھیں کھول دیں پھر اس کے کتاب کے جواب میں لکھی گئی شیعوں کی کتاب امامت و ملوکیت در جواب خلافت و ملوکیت پڑھنے کو ملی جو شیعہ مصنف علامہ حسین بخش جاڑا کی لکھی ہوئی تھی۔ اس کتاب نے تو میرے چودہ طبق روشن کر دیئے۔ پھر ملک غلام علی کی کتاب خلافت و ملوکیت پر اعتراضات کا تجزیہ کا مطالعہ کیا جس نے میرے ہوش اُڑا دیئے۔ ان تین کتابوں کے مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ مجھ پر مسئلہ خلافت کی کچھ نا کچھ وضاحت ہوئی بلکہ نئے سوالات اور پہلو میرے سامنے آئے۔ اور کسی حد تک شیعوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں یہاں سے مجھے شوق پیدا ہوا کہ اب شیعوں کی کُتب کا بھی مطالعہ کیا جانا چاہیے اور شیعہ علمائے کرام سے بھی ملاقاتیں کرنی چاہیئے۔

جماعت المسلمین میں رہ کر جو تعلیم اور تربیت ہمیں ملی تھی اُس کی وجہ سے ہم بریلویوں اور دیوبندیوں ملاؤں کو تو چند منٹوں میں ہی نا کام کر دیتے تھے اور سینکڑوں بار ایسا ہوا بھی ہے بڑے بڑے دیوبند علماء میرے سامنے بات نہیں کر پاتے تھے۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ شیعہ علماء کوئی دیوبندی علماء سے زیادہ اور بڑے عالم تو ہوں گے نہیں ان کو تو میں منٹوں میں لاجواب کر دوں گا۔ بس اسی تصور کو ذہن میں رکھتے ہوئے میں نے شیعہ کُتب کا مطالعہ شروع کیا اور اور شیعہ علماء سے ملاقاتیں شروع کیں۔

شیعہ کُتب کا مطالعہ اور شیعہ علماء سے ملاقاتیں:

شیعوں کے بارے میں تحقیق کے حوالے سے ایک مرتبہ میں نماز جمعہ کے موقع پر لاڑکانہ میں ہی کی ایک شیعہ جامع مسجد جعفریہ میں چلا گیا۔ گیٹ پر جو میرے ساتھ سلوک ہوا اُس نے میرے دل میں شیعوں کے لئے پہلے سے موجود نفرت میں اضافہ کر دیا۔ یہ غالباً ۲۰۰۰ء کا سال تھا اور جولائی کا مہینہ تھا۔ جب میں مسجد (امام بارگاہ) میں داخل ہونے لگا تو

تین چار آدمی میرے قریب آئے اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا نماز پڑھنے۔ پوچھا کیا تم شیعہ ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ تو پھر شیعوں کی مسجد میں کیوں آئے ہو؟ میں نے کہا دیکھنا چاہتا ہوں کہ شیعہ لوگ کیسے نماز پڑھتے ہیں۔ بڑے غصے سے کہا جاؤ جاؤ تم دہشت گرد ہو اور جاسوسی کرنے آئے ہو آج معلومات حاصل کرو گے پھر اپنے ساتھیوں کو بتا کر دہشت گردی کرو گے۔تم لوگ یزیدی ہو تم لوگوں نے امام حسین علیہ السلام کو نہیں چھوڑا تو ہمیں کب چھوڑو گے۔اس قسم کی سخت باتیں اور توہین آمیز رویہ میرے ساتھ اختیار کیا گیا۔ مجھے سخت غصہ آ رہا تھا لیکن کیا کرتا شیعوں کے چنگل میں پھنس چکا تھا اب میرے چاروں طرف شیعوں کا مجمع ہو گیا تھا اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں یہ لوگ مجھے مار ہی نہ دیں یا پھر مجھے پولیس کے حوالے نہ کر دیں۔ اگر اس بات کا پتہ میری جماعت والوں کو پتہ پڑ گیا تو میری بڑی بے عزتی ہو گی۔ ان چند منٹوں میں سینکڑوں خیالات میرے ذہن میں آئے اور میں نے دل ہی دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ نہ شیعوں کے پاس آؤں گا اور نہ ہی شیعوں کی کتاب پڑھوں گا۔ شیعوں کے اس رش میں ایک آواز آئی مولانا حفیظ صاحب آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟ مجھے اُمید کی ایک کرن نظر آئی۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو جس محلے کی مسجد میں میں پیش نماز تھا اُس محلے کا ایک فرد آیا اس نے مجھے پہچانا۔ اسے کہا، آپ مجھے جانتے ہیں نا؟ اُس نے کہا بالکل جانتا ہوں۔ میں نے کہا ان لوگوں کو بتائیں کہ میں کون ہوں کیا میں دہشت گرد ہوں؟ اُس وقت تک ان کی انجمن کا صدر جو ایک بزرگ آدمی تھا بھی آ چکا تھا اور میرے اردگرد بڑا رش تھا۔ اس سید نے اُس صدر کو میرے بارے میں بتایا تو وہ مجھے اپنے ساتھ ایک کمرے میں لے گئے۔ مجھ سے معذرت چاہی، چائے پلائی، اور بڑی خدمت کی۔ پھر ایک بچے کو بھجوا کر مسجد کے مولانا کو بلوا لیا۔ میرا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ بہر حال میں اُن سے ملا اور شیعہ مسجد میں آنے کا مقصد بیان کیا۔ ان مولانا نے مجھے ڈاکٹر تیجانی سماوی تیونسی کی پانچ کتابوں کا ایک سیٹ دیا

(تجلی، حکم آذان، شیعہ ہی اہلسنت ہیں، اہل ذکر، المیہ جمعرات، اور اہلبیتؑ حلال مشکلات)۔ جس پر میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور بغیر نماز پڑھے ہی واپس چلا آیا۔ انجمن کے صدر صاحب مجھے گیٹ تک چھوڑنے آئے اور بار بار معذرت کرتے رہے۔ میں نے کتابیں لیں اور واپس اپنی مسجد میں آ کر دم لیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ جان بھی بچ گئی اور عزت بھی بچ گئی۔

اسی شخص سے جو کہ شیعہ تھا اور لاڑکانہ میں رہتا تھا میں کتابیں منگواتا رہا۔ نہج البلاغہ، سیرت امیر المومنین، چودہ ستارے، الکافی، صحیفہ سجادیہ، شبہائے پشاور، اصل و اصول شیعہ وغیرہ جو شیعوں کی بنیادی کتابیں مانی جاتی ہیں پڑھیں۔ اس شخص نے مجھے دُعائے کمیل اور حدیث کساء بھی لا کر دی اور کہا کہ شب جمعہ پڑھا کرو۔ شب جمعہ کا انتظار کہاں ہوتا تھا میں نے اُسی وقت پڑھ ڈالی اور میں حیران ہو گیا کہ جماعت المسلمین والے اور دیو بندی، اہلحدیث وغیرہ خود کو توحیدی کہتے ہیں توحید کی بڑی باتیں کرتے ہیں اگر وہ صرف ایک مرتبہ دُعائے کمیل پڑھ لیں تو انہیں معلوم ہو کہ توحید کیا چیز ہے اور حقیقی توحید کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جتنی حمد ثناء دُعائے کمیل میں ہے شائد ہی کہیں مل سکے۔ اور اس دُعائے کمیل کے متعلق امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہر شب جمعہ پڑھا کرو، نہ ہو سکے تو مہینے میں ایک مرتبہ، نہ ہو سکے تو سال میں ایک مرتبہ اور یہ بھی نہ ہو سکے تو زندگی میں ایک مرتبہ ضرور پڑھ لو۔ شیعوں کے ہاں دُعائے کمیل کی کتنی اہمیت ہے اس کا اندازہ مجھے بعد میں ہوا اور اس طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ حقیقی توحیدی شیعہ ہی ہیں باقی صرف توحید کا ڈھونگ رچا رہے ہیں۔

ایک اہم واقعہ اور تحقیق مزید:

اس دوران جماعت المسلمین کے حوالے سے ایک اہم واقعہ یہ پیش آیا کہ شکیل صاحب سکھر والے جو ابھی تک زندہ بھی ہیں ان کی زوجہ سمیرہ بنت سلطان سے امیر جماعت المسلمین محمد اشتیاق نے شادی رچالی۔ حالانکہ شریعت میں واضح ہے کہ جس کا شوہر زندہ ہو

اُس سے شادی حرام ہے۔اب تو اشتیاق کے اُس بیوی سے چار بچے بھی ہو چکے ہیں اور شکیل نے اُسے طلاق بھی نہیں دی ہے۔اس واقعہ کے بعد جماعت المسلمین کے تمام افراد میں تشو یش کی لہر دوڑ گئی بعض نے کہا کہ جو امیر کرتا ہے صحیح کرتا ہے اور بعض نے اُس کے اس اقدام کو خلاف شرع قرار دیتے ہوئے الگ اپنی جماعت المسلمین بنالی۔

اس حوالے سے میں بھی کراچی گیا اور وہاں جا کر نورالامین صاحب سے جو بڑے سینئر جماعتی ہیں تنہائی میں ملاقات کی اور کہا کہ مجھے صحیح صورتحال سے آگاہ کریں اور بتائیں کہ کیا اشتیاق کا یہ عمل درست ہے یا غلط۔نورل امین نے بتایا کہ شکیل نے ابھی صرف ایک طلاق دی تھی اور دو طلاقیں ابھی باقی تھیں اس لئے سمیرہ ابھی تک شکیل کی بیوی ہے اور اشتیاق نے نکاح پر نکاح کر کے خلاف شرع اقدام کیا ہے اور یہ زنا کے زمرے میں آتا ہے تو میں نے نورل امین صاحب سے کہا کہ کیا ایک زانی امیر کی اطاعت جائز ہے انہوں نے کہا نہیں۔اس کے بعد میں نے ایک اور سینئر جماعتی عبدالحمید صاحب شہداد کوٹ والے سے یہ مسئلہ پو چھا انہوں نے بھی کہا کہ مولوی اشتیاق زنا کا مرتکب ہوا ہے مگر یہ بات عام لوگوں کے سامنے نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس طرح جماعت میں خلفشار پیدا ہو جائے گا اور ہماری جماعت ٹوٹ جائے گی۔پھر میں نے حافظ امام دین قمبر والے سے یہی مسئلہ دریافت کیا انہوں نے کہا کہ اشتیاق نے زنا کیا ہے اور اس کی سزا سنگسار کرنا ہے۔میں نے کہا کہ آؤ ہم مل کر اس ظلم اور گناہ کے خلاف آواز اُٹھائیں مگر اُس نے انکار کر دیا اور کہا کہ آپ مجھے مرواؤ گے۔پھر میں نے عبدالغنی صاحب سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اشتیاق نے سمیرہ سے نکاح کر کے گناہ کیا ہے وہ کافر ہو گیا ہے اور اُس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے۔میری ملاقات علی محمد بھٹو اور ارشاد احمد چنہ سے بھی ہوئی انہوں نے بھی اشتیاق کے بارے میں انہی خیالات کا اظہار کیا۔

وہ تمام لوگ جو کل تک اشتیاق کی مخالفت کرتے تھے اُسے کافر، زانی، گناہ گار اور نہ

جانے کیا کیا کہتے تھے اور الگ اپنی جماعت بنا رہے تھے ان کو اشتیاق احمد نے کیا لالچ دی اور جماعت کے بیعت المال سے خوب پیسے دیئے وہ سب لوگ آج بھی اشتیاق کے ساتھ جماعت میں شامل ہیں اور اشتیاق کو بلیک میل کر کر کے پیسے نکلواتے رہتے ہیں۔ اشتیاق کے حق میں تقریریں کرتے ہیں، اُسے امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین کہتے ہیں، اُس کے حق میں نعرے لگاتے ہیں، اُس کی اطاعت کو رسول اللہؐ کی اطاعت قرار دیتے ہیں۔ اشتیاق نے مجھے بھی بڑی آفر کی اور کہا کہ اس مسئلہ پر بس خاموش رہو مگر میرے ضمیر نے یہ گوارا نہیں کیا۔ چند ٹکوں کی خاطر اپنے دین کو بیچنا مجھے بہت ہلکا سودا لگا لہذا میں نے جماعت المسلمین سے الگ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ میں حیران ہوتا تھا ان لوگوں کے طرز عمل پر خدا اور رسولؐ قرآن و حدیث کی باتیں کرنے والے اتنے گھٹیا بھی ہو سکتے ہیں؟ خود کو مسلم اور تمام مسلمانوں کو کافر کہنے والے اتنے بدکردار بھی ہو سکتے ہیں؟

سکھر واپس آنے کے بعد مجھے پتا چلا کہ اشتیاق کو پولیس نے گرفتار کر لیا ہے اور پھر اسی زنا کے کیس میں وہ تین ماہ تک جیل میں بھی رہا ہے۔

دوسری بات جس نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا وہ ڈاکٹر تیجانی سماوی کی کتابیں تھیں۔ انہوں نے جو کچھ اپنی کتابوں میں لکھا تھا تقریباً وہ سب کچھ میں پہلے ہی پڑھ چکا تھا مگر اُن باتوں کو اتنی اہمیت نہیں دی تھی (ان تمام باتوں کو اصول دین و فروع دین کے حوالے سے آگے بیان کروں گا) اور جو باتیں میں نے نہیں پڑھی تھیں اُن کو اب ڈاکٹر تیجانی سماوی کی کتابوں میں دیئے گئے حوالوں کی مدد سے پڑھا۔ میں یہاں ایک خاص بات کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں وہ یہ کہ ڈاکٹر تیجانی صاحب نے جتنے بھی حوالے دیئے ہیں وہ سب اہلسنت کی کتابوں سے دیئے ہیں اور میں نے ایک حوالہ بھی غلط نہیں پایا۔ ڈاکٹر تیجانی کی کتابوں نے میری آنکھیں کھول دیں۔ میں نے شیعہ کُتب میں جب یزید پلید کا کردار پڑھا تو حیران رہ

گیا کہ اتنے بدکردار شخص کو نہ صرف جماعت المسلمین والے بلکہ سوائے شیعوں کے تقریباً تمام فرقے اپنا امام اور خلیفۃ المسلمین مانتے ہیں۔ جماعت المسلمین سمیت بعض فرقے تو اُسے جنتی مانتے ہیں اور اس خبیث کو جنتی ثابت کرنے کی ناکام کوشش بھی کرتے ہیں۔ مثلاً جماعت المسلمین کے مرحوم امیر سید مسعود احمد نے اپنی کتاب تاریخ الاسلام والمسلمین میں یزید پلید کو جنتی لکھا ہے اور ہم نے کہا خدا لعنت کرے یزید پر اور اُس کی تعریف کرنے والوں پر۔ یزید کے کچھ کالے کرتوت اسی کتاب میں آگے بیان کروں گا۔ میں یہاں پر اس کتاب کے قارئین سے ایک سوال کرتا ہوں۔

خاتم النبین، سید المرسلین، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے جو سب قریش سے ہوں گے (تیسر الباری شرح صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۲۶۶) جب تک تم لوگوں پر بارہ خلیفہ رہیں گے اس وقت تک یہ دین قائم رہے گا (سنن ابی داؤد جلد ۳ صفحہ ۳۴۷) میرے بعد بارہ سردار اور پیشوا ہوں گے وہ سب قریش سے ہوں گے (جامع الترمذی جلد ا صفحہ ۸۱۳) میرے جانشین نقباء بنی اسرائیل کی تعداد کے برابر بارہ ہوں گے (مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۳۹۸) اس وقت تک اسلامی حکومت اچھی رہے گی جب تک بارہ خلفاء ہوں گے (صحیح مسلم کتاب الآمارہ) بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا (صواعق المحرقہ از علامہ ابن حجر مکی صفحہ ۸۹) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ خلفاء کے حوالے سے مسلمان دو واضح مکاتب فکر میں تقسیم ہیں ایک کو سُنی، اہلسنت یا اہلسنت والجماعت کہتے ہیں جب کہ دوسرے کو شیعہ، امامیہ یا جعفری کہتے ہیں۔ ان دونوں مکاتب فکر کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارہ خلفاء یا جانشین یا امام حسب ذیل ہیں:

اہلسنت والجماعت کے بارہ خلفاء (امام)	شیعوں کے بارہ خلفاء (امام)
(۱) حضرت ابوبکر ابن ابی قحافہؓ	(۱) امام علی مرتضی علیہ السلام
(۲) حضرت عمر ابن الخطابؓ	(۲) امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام
(۳) حضرت عثمان ابن عفانؓ	(۳) امام حسین مظلوم علیہ السلام
(۴) حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ	(۴) امام زین العابدین علیہ السلام
(۵) معاویہ ابن ابوسفیان	(۵) امام محمد باقر علیہ السلام
(۶) یزید ابن معاویہ	(۶) امام جعفر صادق علیہ السلام
(۷) عبدالملک بن مروان	(۷) امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
(۸) ولید بن عبدالملک	(۸) امام علی رضا علیہ السلام
(۹) سلیمان بن عبدالملک	(۹) امام محمد تقی علیہ السلام
(۱۰) عمر بن عبدالعزیز	(۱۰) امام علی نقی علیہ السلام
(۱۱) یزید ثانی بن عبدالملک	(۱۱) امام حسن عسکری علیہ السلام
(۱۲) ہشام بن یزید ثانی	(۱۲) امام محمد مہدی علیہ السلام

(فتح الباری از علامہ ابن حجر عسقلانی جلد ۷ صفحہ ۶۲۹، تاریخ الخلفاء صفحہ ۷ شرح فقہ اکبر جلد ۴ صفحہ ۸۱، از الاتلخفا صفحہ ۳۰، کتاب شفاء از قاضی عیاض علامہ شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ از علامہ سلمان ندوی جلد ۳ صفحہ ۶۷۳) مسلمانوں فیصلہ خود کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق جانشین و خلفاء کون ہیں اور نجات کن کی پیروی میں ہے؟ معاویہ اور یزید یا پھر علیؑ اور حسینؑ

شیعہ عالم عبداللہ جروار سے ملاقات:

شیعوں کے ایک عالم دین مولانا عبداللہ جروار صاحب سے میری ملاقات پہلی مرتبہ ۲۰۰۱ء میں ہوئی۔ وہ سکھر میں مجلس پڑھنے آئے تھے۔ کسی نے مجھے بتایا کہ مجلس ہے میں مجلس

سُننے گیا جو باتیں انہوں نے توحید کے حوالے سے کیں بخدا میں نے کسی دیوبندی، اہلحدیث یا جماعت المسلمین کے بڑے سے بڑے عالم سے بھی نہیں سُنی تھیں۔ میں نے اُن سے ملاقات کی اور پھر بار بار ملاقاتیں کیں۔ پہلی ملاقات میں عبداللہ جروار سے میری بحث صرف توحید پر ہوئی اور توحید کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو عقیدہ ونظریہ انہوں نے پیش کیا تو میں پہلی ہی ملاقات میں اُن کا گرویدہ ہوگیا۔ اس کے بعد خلافت وولایت علیؑ، کلمہ میں علیؑ ولی اللہ، بارہ امام، آئمہ اثناء عشری کی عصمت وطہارت، امامت کی ضرورت، نماز، روزہ، حج، زکواۃ، خمس، جہاد، تولا، تبرا، اہلبیتؑ کے فضائل ومصائب، عزاداری امام حسین علیہ السلام وغیرہ تقریباً ہر موضوع پر میری اُن سے بحث ہوئی اور انہوں نے ہر مسئلہ پر مجھے لاجواب کر دیا۔ میں نے اپنی تحقیق موضوع کے حساب سے آگے اسی کتاب میں بیان کی ہے قارئین سے گزارش ہے کہ ضرور استفادہ فرمائیں اور اپنے گراں قدر خیالات سے مجھے آگاہ بھی فرمائیں۔ میرے ذہن میں ایک بڑا مسئلہ یہ بھی تھا کہ قرآن مجید میں مسلمین لفظ استعمال ہوا ہے لہذا جماعت المسلمین ہی حق پر ہے۔ مولانا عبداللہ جروار صاحب نے مجھے قرآن مجید میں سے لفظ شیعہ دکھا دیا اور بتایا کہ کئی مقامات پر لفظ شیعہ استعال ہوا ہے اگر یہی حق کا پیمانہ ہے تو شیعہ سب سے زیادہ حق پر ہیں۔

ودخل المدینۃ علیٰ حین غفلۃ من اھلھا فوجد فیھا رجلین یقتتلن ھذا من شیعتہ وھذا من عدوہ فاستغاثہ الذی من شیعتہ علیالذی من عدوہ (سورۃ القصص آیت ۱۵) یعنی اور (موسیٰؑ) اس شہر میں داخل ہوئے جس وقت شہر والے خواب میں بے خبر تھے تو انہوں نے دو افراد کو لڑتے ہوئے پایا ایک موسیٰ کا شیعہ تھا اور دوسرا اُس کا دشمن تو جو موسیٰ کا شیعہ تھا اُس نے موسیٰ سے مدد مانگی اس کے خلاف جو اس کے دشمنوں میں سے تھا۔ اس آیت مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حامی کو شیعہ کہا گیا ہے یعنی نبی کی پیروی کرنے والا شیعہ ہی ہوتا

ہے۔ پھر مولانا عبداللہ جروار نے ایک اور آیت مجھے دکھائی جس میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ **وان من شیعته لابرٰھیم O اذجآء ربه بقلب سلیم O** (سورۃ الصٰفٰت آیت ۸۳تا۸۴) یعنی بے شک ابرھیمؑ انہی کے شیعوں میں سے تھے جب کہ وہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوئے غیر سے سلامت دل سے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کو شیعہ کہا۔ پھر مولانا عبداللہ جروار نے ایک حدیث مبارک دکھائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''کل انبیاء من شیعتہ لا براھیم'' یعنی تمام انبیاء حضرت ابراھیم علیہ السلام کے شیعہ ہیں۔ پھر مولانا عبداللہ جروار صاحب نے ایک اور حدیث دکھائی جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''یاعلی انت وشیعتک ھم الفائزون'' (میزان العدالت از علامہ شمس الدین ذھبی) یعنی اے علیؑ تم اور تمہارے شیعہ ہی (قیامت میں) کامیاب ہوں گے۔ ان نا قابل تردید دلائل کی موجودگی میں انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی اور میں نے دل سے مذہب حقہ قبول کرلیا اور کلمہ ولایتؑ دل وزبان سے جاری کیا لیکن ضرورت اس امر کی تھی کہ مذہب حقہ کی تعلیمات اور اصول وفروع سمجھے جائیں اس کام کے لیے کراچی کا رخ کیا۔

مولانا سید محمد عون نقوی سے ملاقات

کراچی میں نامور خطیب، ممتاز عالم دین مولانا سید محمد عون نقوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ جنہوں نے میری خوب مدد فرمائی اور بتلایا کہ وہ اب تک ۱۲ افراد کو شیعہ کر چکے ہیں۔ مولانا محمد عون نقوی صاحب نے مجھے خط لکھ کر مولانا وزیر حسین ترابی صاحب کے پاس خیر پور میرس بھیج دیا۔

مذہب اہلبیتؑ کی باقاعدہ تعلیم:

مذہب اہلبیتؑ اختیار کرنے کے بعد میں خیر پور کے شیعہ عالم دین حضرت علامہ شیخ

وزیرحسین ترابی کے پاس گیا اور اپنی پوری روئیداد سنائی انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ آپ باقاعدہ مذہب اہلبیتؑ کی تعلیم حاصل کریں۔ میں علامہ شیخ وزیرحسین ترابی کی شاگردی اختیار کرلی اور باقاعدہ مذہب اہلبیتؑ کی تعلیم حاصل کرنے لگا۔ جناب اُستاد صاحب مجھ پر بڑی محنت کرتے تھے اور سارا دن مجھے اپنے ساتھ رکھتے، پڑھنے کے لئے کتابیں دیتے، فقہی مسائل سمجھاتے، تفسیر اور حدیث کے بارے میں بتاتے یہاں تک کہ ایک سال میں علامہ صاحب نے مجھے اتنا کچھ سکھا دیا کہ میں یہ کتاب لکھنے کے قابل ہو گیا۔ آج میں جو کچھ ہوں انہی کے دی ہوئی تعلیم کا اثر ہے۔ میں دُعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ بحق محمدؐ وآلِ محمدؐ علامہ شیخ وزیر حسین ترابی صاحب کو صحت وسلامتی عطا فرمائے۔ یہ کتاب معرفت حق کے بعد دوسری جامع کتاب ہے۔

اب میں قارئین سے گزارش کرتا ہوں کہ تعصب کی عینک اُتار کر صرف اپنی آخرت کے بارے میں سوچتے ہوئے ان حقائق کا مطالعہ فرمائیں حق خود بخود آپ کے سامنے آجائے گا۔

احقر

عبدالحفیظ حیدری پنہور

لاڑکانہ

اثباتِ ماتم و فدک

بعض عرصۂ دراز سے عزاداریِ امامِ مظلوم سیّد الشہدا حضرت امام حسین علیہ السلام کی مخالفت کرتے آ رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ جب کہ ہماری عزاداری سے ان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچتی اور ان کا کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی نجانے کیوں مخالفت کرتے ہیں؟ اور مخالفت کرنے کا مقصد کیا ہے؟

اگر ہم شیعہ اثناء عشری یہ سمجھیں کہ یہ ہمارے خیر خواہ ہیں تو یہ ہماری بھول ہے، کیونکہ خیر خواہ کبھی بھی ہمیں عبادت سے نہیں روکتا۔ عبادت سے تو دشمن روکتا ہے کیونکہ مومن کا سب سے بڑا دشمن تو ابلیس ہے، جس نے ہمارے باپ یعنی حضرت آدمؑ کو جنت سے باہر نکلوا دیا تھا۔ چونکہ اس ملعون نے حضرت آدمؑ کو سجدہ نہیں کیا اس لیے تو اللہ نے فرمایا:

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ وَ إِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْ إِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

(سورۂ ص، آیات ۷۷۔۷۸)

(اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) ''پس نکل جا کہ تُو راندۂ درگاہ ہے اور تجھ پر روز جزا تک میری لعنت ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اپنے دربار سے نکالا تو ابلیس حسد میں مبتلا ہوا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی خاطر اپنے دربار سے نکال دیا تو میں بھی آدمؑ کو نہیں

چھوڑوں گا اوران کو جنت سے نکال کر ہی دم لوں گا۔ آخر ابلیس نے آدمؑ کی دشمنی میں دن رات ایک کردیے۔ جب ابلیس نے حضرت آدمؑ جیسے نبی کو نہیں چھوڑا تو ہمیں کیسے چھوڑ دے گا۔

اسی طرح ابلیس کے روپ میں انسان بھی بہت کوشش کرتا ہے کہ ہم تو جنت میں نہیں جاسکتے تو پھر یہ کیوں جنت میں جائیں، کیونکہ شیطان کے چیلے جنّات کے روپ میں بھی ہیں اور انسانی روپ میں بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنّات کے روپ والے شیطان کو اپنے دربار سے نکال دیا تھا تو اس نے حضرت آدمؑ پر حملہ کیا تھا اور اگر کوئی انسانی روپ میں حضرت محمد مصطفیٰؐ پر حملہ کرے تو اس کو ہم کیا کہیں۔ ہم فتویٰ کیوں دیں، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو اپنے دربار سے نکال کر دنیا کو بتا دیا کہ جس کو اللہ تعالیٰ اپنے دربار سے نکالے وہ رجیم بھی ہے اور لعنتی بھی ہے۔ اسی طرح جس کو میں نکالتا ہوں۔ وہ رجیم بھی ہے لعنتی بھی۔ جس کو اللہ اپنے دربار سے نکالے وہ آدمؑ کا دشمن اور ان کی اولاد کا دشمن ہوا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دربار سے نکلا وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اور اُن کی آل کا دشمن بنا، کیونکہ جو شیطان کے ماننے والے ہیں یعنی ابلیس کے پیروکار ہیں وہ جنت میں تو نہیں جاسکتے اِس لیے کہ وہ حاسد ہیں۔ اب حاسد اپنا کام تو ضرور کرے گا وہ حتی الامکان کوشش کرے گا کہ جس طرح میں جنت میں نہیں جاتا اسی طرح یہ لوگ بھی جنت میں نہیں جائیں۔ اسی لیے کبھی ماتم پر اعتراض کرتے ہیں تو کبھی عزاداری پر اعتراض کرتے ہیں اور کبھی مجالس پر اعتراض کرتے ہیں تو کبھی سبیل پر اعتراض کرتے ہیں اور کبھی شبیہ پر اعتراض کرتے ہیں اور کبھی علم پر اعتراض کرکے لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ یہ سارے کام (معاذ اللہ) بدعت ہیں۔ لہٰذا تم ان سے بچو

تا کہ کہیں تم بھی بدعتی نہ بن جاؤ۔

اب میں بھائیوں سے سوال کرتا ہوں کہ بدعت کیا ہے اور کس چیز کو بدعت کہتے ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ جو کام رسول اللہؐ کے دور میں نہیں تھا اور کوئی اسے نبیؐ کا امتی ہو کر کرے تو اس کو بدعت کہا جاتا ہے۔

قارئین کی خدمت میں گزارش کرتا ہوں کہ یہ جو تشیع پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ شیعہ ماتم کیوں کرتے ہیں تو عرض یہ ہے کہ اعتراض تو ہم شیعوں کو کرنا چاہیے کہ سُنّی حضرات ماتم کیوں نہیں کرتے، بجائے اس کے ہم پر ہی اعتراض کر دیا جاتا ہے۔ یہ ہماری شرافت ہے کہ ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے، کیونکہ دین میں جبر نہیں ہے کہ کسی کو زبردستی ماتم کرائیں۔ یہ ہر کسی کا اپنا اپنا خیال اور عقیدہ ہے کہ کوئی بدعت سمجھتا ہے اور کوئی عبادت یعنی سنّتِ رسولؐ سمجھتا ہے۔ بدعت تو تب ہو جب رسولؐ نے نہ کیا ہو۔ جو کام رسولؐ کرتا ہے وہ امت کے لیے سنّت ہو جاتا ہے۔ اب جو رسول اللہؐ کی سنّت سے گریز کرتا ہو، اس کو کیا کہتے ہیں۔ سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہماری نظروں میں وہ اللہ اور رسولؐ کا نافرمان، گمراہ ہے اور صرف گمراہ نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس کو دُور کی گمراہی بتایا ہے، جس کی دلیل یہ ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا

(سورۂ احزاب، آیت ۳۶)

ترجمہ: ''اور نہیں ہے حق کسی مومن مرد کو اور نہ کسی مومنہ عورت کو کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی بات کا فیصلہ کریں تو اس میں وہ اپنی مرضی چلائیں اور (جو ایسا کرے گا) وہ

نافرمان ہے اور جو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا وہ بیشک کھلی گمراہی میں ہے۔"

تشریح: اب میں قارئین کرام سے پوچھتا ہوں کہ عزاداری سے روکنے والا کس قدر بدنصیب ہے۔ وہ شخص جو اس عزاداری والی عظیم عبادت کو روکتا ہے اور صرف روکتا ہی نہیں بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر کھلے عام مخالفت کرتا ہے، یہ مخالفت عزاداری کی نہیں کرتا بلکہ یہ اس کی مخالفت ہے جس کی عزاداری کی جاتی ہے۔ یہ تو سب کو پتا ہے کہ شیعہ لوگ کس کے لیے روتے ہیں اور کیوں روتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ شیعہ اس کو کہتے ہیں جو حضرت محمدؐ و آلِ محمدؐ کے محبّ ہیں اور اپنے محبوب کی خاطر ہر کوئی روتا ہے چاہے وہ کسی بھی مسلک کا ہو، چاہے وہ سنّی ہو، چاہے بریلوی مسلک کا ہو، چاہے دیوبندی ہو، چاہے وہ اہلِ حدیث ہو، چاہے وہ جماعت المسلمین کا ہو، چاہے حنفی ہو، چاہے حنبلی ہو، چاہے وہ شافعی ہو، چاہے وہ مالکی ہو، یہ سب اپنے اپنے محبوب کے لیے روتے ہیں، کیونکہ رونا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ جو انسان ہے وہ اپنے محبوب کے لیے روتا ہے باقی رہی بات رونے کے دلائل کی، تو اب میں وہ بھی قارئین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

عزاداری اور ماتم از روئے قرآن

لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الْجَھْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیْعاً عَلِیْماً

(سورۂ نساء، آیت ۱۴۸)

ترجمہ: برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا ہاں مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اس پر رونے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا محبوب بناتا ہے۔ اور اللہ سمیع (یعنی سننے والا) وعلیم (جاننے والا) ہے۔ (دیکھو تفسیر ابن کثیر، ج ۶، ص ۲)

اہلِ سنّت کی معتبر کتاب صحیح بخاری شریف، ج ۲، ص ۸۴ پر تحریر ہے:

وقال محمد بن کعب القریظی القول الیسی و ظن الیسی

ترجمہ: محمد بن کعب کہتے ہیں کہ جزع و فزع کرنا، یہ قول، قولِ سوء ہے۔

اب قارئین سے گزارش ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ قولِ الیسی جائز نہیں مگر مظلوم کے لیے جائز ہے۔ میں نے بخاری سے اس بات کی وضاحت کردی کہ جزع بھی قول سوء ہے اور قرآن پاک نے قولِ سوء کو مظلوم کے لیے جائز قرار دیا ہے اور جزع اور قول سوء جب دونوں ایک ہیں تو جزع بھی ازروئے قرآن جائز ہے۔ اہلسنّت اور اہل تشیّع کا اتفاق ہے کہ جو روایت بھی قرآن کے مخالف ہو اسے قبول نہ کیا جائے تو جو روایت بھی قباحتِ جزع پر دلالت کرے گی، اسے دیوار پر مارا جائے۔

قارئین، جو انسان نہیں وہ جو چاہیں کریں۔ جزع کے معنی پر بڑا زور دیا جاتا ہے اور اس کی حرمت کو ثابت کیا جاتا ہے۔ عرض ہے کہ جزع کے معنیٰ خواہ ماتم کرنا ہے یا سینہ پیٹنا ہے یا منہ پیٹنا ہے یا ران پیٹنا ہے یا زنجیر زنی کرنا جو معنیٰ بھی ہو۔ یہ سب امور مظلوم کے لیے جائز ہیں۔ تو ہم شیعہ اپنے امامِ مظلومؑ کے لیے یہ سب کچھ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی اجازت دے رکھی ہے۔ اگر کسی قاضی یا قادری کو اختلاف ہے تو یہ صرف اور صرف مظلوم سے دشمنی ہے اور ظالم سے محبت ہے۔

ام المومنین بی بی اُمِّ سلمیٰؓ کو ماتم کی اجازت

سبیلِ سکینہؑ حیدرآباد لطیف آباد

عن ام سلمة زوج النبی صلی اللّٰہ علیه و آلہ وسلم انها قالت یا رسول اللّٰه ان نساء بنی مخزوم قرا قمن ماتمهن علی الولید بن ابو ولید بن المغیره فاذن لها فقالت و هی تبکیه ابکی الولید بن الولید بن

المغیرہ ابکی الولید اخا العشیرہ۔

(المعجم الصغیر الطبرانی، ص۲۰۶)

ترجمہ: ایک دن حضرت اُمِّ سلمہؓ نے نبی پاکؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا نبی اللہ ولید ابن ولید ابن مغیرہ کا بنی مخزوم کی عورتوں نے ماتم بپا کیا ہے اور میں اس ماتم میں شرکت کے لیے آپ کی اجازت چاہتی ہوں۔ پس رسول اللہؐ نے اُمِّ سلمہؓ کو اجازت دے دی اور اُمِّ سلمہؓ آئیں اور روتے ہوئے اس شعر کے ساتھ ماتم کیا۔

ابکی الولید بن الولید بن المغیرہ ابکی الولید بن الولید اخا العشیرہ

قارئین کرام آپ نے غور فرمایا کہ اُمّ المومنین نے نبی پاکؐ کو ماتم برپا ہونے کی خبر دی اور ماتم میں شرکت کی اجازت بھی طلب کی اور نبیؐ نے اجازت بھی دے دی۔ اگر ماتم کرنا حرام ہوتا تو یقیناً نبی کریمؐ ہرگز اُمّ المومنین کو اجازت نہیں دیتے اور اس میں جانے سے منع کرتے اور جن عورتوں نے ماتم برپا کیا تھا ان پر ناراض ہوتے کہ یہ غیر شرعی کام ہے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ نبی کریمؐ نے انہیں منع نہیں کیا اور اُمّ المومنین کو شرکت کی اجازت دے دی۔ بی بی اُمِّ سلمہؓ نے ماتم میں شرکت ہی نہیں کی بلکہ ماتم میں نوحہ بھی پڑھا۔ اُمّ المومنین کا نبی کریمؐ کی اجازت سے بزم ماتم میں شرکت کرنا ثابت ہے اور ہم دیکھیں گے کہ ملاّ حضرات اس روایت کے بعد اُمّ المومنین پر کیا فتویٰ لگاتے ہیں۔

صدائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے جب اُمِّ سلمہؓ نبیِ اکرمؐ کی اجازت سے اگر عام آدمی کے ماتم میں شرکت کر سکتی ہیں تو نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کا ماتم کس طرح

حرام ہوگیا۔ البتہ یہ صاف ظاہر ہوا کہ اعتراض کرنے والوں کو ماتم سے نفرت نہیں ہے رسولؐ کے قول اور فعل سے نفرت ہے۔ جس کو رسولؐ کے قول اور فعل سے نفرت ہو وہ مسلمان کیسے ہوسکتا ہے۔

ران پیٹ کر خون بہانا سنّتِ حضرت آدمؑ

در روایت است که چندان قلق و اضطراب دودیے اثر کرده که دست به زانو زده که گوشت و پوست از سر دست و سر زانوئے او رفته بود و استخوان ظاهر شده

(معارج النبوۃ، ج اوّل، ص ۲۴۸)

حضرت آدمؑ میں بے چینی واضطراب نے اتنا اثر کیا کہ ہاتھ اپنے زانوں پہ مارا اور اس سے گوشت و پوست ہاتھ اور زانو کا ضائع ہوگیا اور ہڈیاں ظاہر ہوگئیں۔

اب میں ان سے پوچھتا ہوں جن لوگوں نے ماتم کرنے والوں پر فتویٰ لگایا ہے کہ ماتم کرنا حرام ہے، عرض ہے کہ تعصب کی عینک اتار کر اس حوالے کو پڑھیں کہ حضرت آدمؑ ابوالبشر ہیں اور غم میں ران پیٹ رہے ہیں اور خون بھی بہا رہے ہیں۔ ابوالبشر تو اس طرح ران پیٹیں کہ اس سے خون جاری ہوجائے۔ یہ حرام نہیں لیکن اگر مصائب حضرت امام حسینؑ کی یاد میں شیعہ ران پر ہاتھ ماریں تو یہ بیچارے تمام اعمال سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ کیا اسی کا نام انصاف ہے۔ دشمنانِ امام حسینؑ کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ جس روایت میں بھی ران پیٹنے کی قباحت کا ذکر ہے وہ بھی ضعیف ہے۔

اربابِ انصاف! ماتم کو مخالف ملّا کبھی تقلیدِ یزید کہتے ہیں اور کبھی دین سے

خارج کرتے ہیں۔ ہم نے مخالف مذہب کی کتاب سے حضرت آدمؑ کا ماتم ثابت کر دیا ہے۔ اب ان کی کوشش ہے کہ اپنے باپ آدمؑ کو معاذ اللہ معاذ اللہ یزید کا مقلد بنائیں یا کسی اور کا۔

ران پیٹنا سنّتِ نبیؐ

کتبِ اہلسنّت میں ہے:

وهو مول يضرب فخذه وهو يقول و كان الانسان اكثر شيء جدلا

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ رسول اللہؐ جب لوٹے اس حال میں کہ اپنی ران کو پیٹ رہے تھے۔

(صحیح بخاری، ج ۲، ص ۵۰، نسائی، ج ۳، ص ۳۰۵، الادب المفرد، ص ۴۲۶، مسلم، ج ۱، ص ۲۹۱، مسند ابی عوانہ، ج ۲، ص ۲۹۲، بخاری، ج ۳، ص ۹)

قوله يضرب فخذه فيه جواز ضرب الفخز عند التاسف

شارح ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں وقت افسوس ران پیٹنے کا جواز ہے۔ ملّا حضرات ران پیٹنے کے عمل کے باطل ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ تو بتائیں کہ نبی کریمؐ نے جب ران پیٹی تو حضورؐ کے عمل کا کیا ہوا؟ رسول اللہؐ شریعت کے بادشاہ ہیں اور آنحضرتؐ کا ران پیٹنے کا ذکر کتبِ اہلسنّت میں موجود ہے۔ صحیح بخاری کی ہر حدیث کو اہلسنّت حضرات من حیث السند صحیح جانتے ہیں۔ جب شریعت کا بادشاہ خود ران پیٹ رہا ہے تو پھر اگر شیعہ غمِ امام حسینؑ میں ماتم کریں، رانِ پیٹیں تو ان کے عمل کیوں باطل ہوں گے بلکہ جو آلِ نبیؐ سے بغض رکھتے ہیں اور درجۂ نفاق پر فائز ہیں عمل ان کے باطل ہیں۔

ران پیٹنا سنّتِ علیؑ

چون شکست بر لشکر اُمّ المومنین افتاد مردم از طرفین مقتول شدند و حضرت امیر قتل را ملاحظ فرمود رانهائے خود را کوفتن گرفت

ترجمہ: جب بی بی عائشہ کو شکست ہوئی اور امیر المومنینؑ نے مقتولوں کی لاشوں کو دیکھا تو اپنی ران پیٹنی شروع کر دی۔

(تحفہ اثناء عشری، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، ص ۳۳۵)

جب کہ یہ ملاّ حضرات فتویٰ لگاتے ہیں کہ ران پیٹنے سے عمل باطل ہو جاتے ہیں۔ اگر اسے درست مان لیا جائے تو کیا حضرت آدمؑ، حضرت رسول مقبولؐ اور حضرت علیؑ کا معاذ اللہ کوئی عمل باقی نہ رہا۔

کتاب تحفۂ اثناء عشریہ کا ایک جواب شیعوں نے نزہۃ اثناء عشریہ ۱۲ جلدوں میں شائع کیا اور دوسرا جواب عبقات الانوار، ۱۶ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اس کے باوجود اس کتاب کو قاضی جی کتاب لاجواب کہتے ہیں۔ ناانصافی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ اسی تحفے سے ہم نے مولا علیؑ کے ماتم کرنے کو ثابت کیا ہے۔ ہوسکتا ہے اب یہ لوگ کہہ دیں کہ تحفہ ہماری معتبر کتاب نہیں ہے۔

اعتراض: یہ امر باعثِ عبرت ہے کہ تلاوت یا حفظِ قرآن اہلسنّت کو ہی نصیب ہے اور اہل تشیّع کے حصے میں ماتم ہی ماتم ہے۔

جواب: تلاوت اور حفظِ قرآن بغیر اہلِ بیتؑ کی محبت کے کوئی فخر کی بات نہیں۔

بخاری شریف، ج ۴، ص ۲۵۵ میں ہے کہ:

یاتی فی الآخر الزمان قوم یا یجاوز ایمانهم حناجرهم یقرؤن

القرآن لا یجاوز تراقیھم

ترجمہ: نبی کریمؐ نے فرمایا کہ آخری زمانے میں ایک قوم آئے گی اور ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، قرآن پڑھیں گے اور قرآن بھی ان کے گلے سے نیچے نہیں اترے گا۔

اہل تشیع کے حصے میں محبت ومودّتِ اہلبیتؑ ہے۔ کاش چار یاری قاضی کے حصّے میں بھی اہلبیتؑ کی محبت ومودّت ہی ہوتی، تو آج سارے مسلمان شیر وشکر کی طرح ایک ہوتے۔ بقولِ علاّمہ اقبالؒ:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ران پیٹنا سنّتِ صحابہ

فضرب القوم بایدیھم علی افخاذھم

ترجمہ: معاویہ بن حکم سلمی بیان کرتا ہے کہ نبی کریمؐ کے پیچھے ہم نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص کو چھینک آئی۔ میں نے اسے یرحمک اللہ کہا تو قوم نے مجھے گھورا، میں نے ان سے کہا کہ تم مجھے کیوں گھورتے ہو تو صحابہ کرام نے اپنی رانوں کو پیٹا۔

(مسند ابی عوانہ، ج ۲، ص ۱۴۱، سنن نسائی، ج ۳، ص ۱۶، سنن ابی داوٗد، ج ۱، ص ۲۴۴)

قارئین ران پیٹنے کے عمل کو باطل قرار دینے والے صحابہ کے عمل کا بھی خیال رکھیں، لیکن بُرا ہو تعصب کا کہ دور کا تنکا تو نظر آتا ہے اور قریب کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ صحابی ران پیٹتے ہیں، کیونکہ ان کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ صحابہ کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کرتے خواہ اچھا ہو یا برا اور شیعوں کے ہر فعل پر اعتراض کرتے ہیں، خواہ وہ اچھا

فعل ہی کیوں نہ ہو۔ اگر صحابہ کرام کے اعمال ماتم کرنے سے باطل نہیں ہوتے تو بیچارے شیعوں کے اعمال غمِ امام حسینؑ میں ماتم کرنے سے کیسے باطل ہو سکتے ہیں؟

قرآن میں منہ پیٹنے کا ثبوت

فَاَقْبَلَتِ اِمْرَاَتُهٗ فِیْ صِرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ

(سورۂ ذاریات، آیت ۲۹)

فصکت کے معنی ہیں منہ پر طمانچہ مارنا۔

ثبوت نمبر ۱:

فصکت فجمعت اصابعها فضربت جبتها

ترجمہ: انگلیوں کو اکٹھا کیا اور منہ پر مارا۔

(سورۂ ذاریات، بخاری، ج ۶، ص ۱۳۹)

ثبوت نمبر ۲:

قال ارسل ملک الموت الٰی موسیٰ فلما جائه مکه فرجع الٰی ربه

ترجمہ: جب ملک الموت کو موسیٰؑ کی روح قبض کرنے کے لیے بھیجا گیا اور وہ موسیٰؑ کے پاس آیا تو حضرت موسیٰؑ نے اس کو طمانچہ کھینچ کر مارا۔

(بخاری شریف، ج ۴، ص ۱۵۷)

ثبوت نمبر ۳:

و عطو الجبوت و صکوا الحزور

یعنی رخساروں کو گریبان کو چاک کیا۔

(مقامات حریری، ص۱۴۲)

قارئین! ملّتِ ابراہیمؑ میں جناب سارہؑ کے منہ پیٹنے سے ماتم کا جواز ثابت ہوگیا اور اُمّتِ مسلمہ کو ملت ابراہیمی کی پیروی کا حکم ہے لہٰذا اگر اہل تشیع امامِ مظلومؑ پر ماتم کریں تو یہ از روئے قرآن جائز ہے۔

وقت مصیبت سر کا پیٹنا سنّتِ آدمؑ

دست بر سر زدہ گفت آہ و بگریہ

در آمد ایں سنّت درمیان اولاد

خود گذاشت کہ در جبن نزول

مصیبت دست بر سر زند و آہ نمایند

ترجمہ: حضرت آدمؑ کی روح جب حرکت میں آئی تو ہاتھ سر پر مارا اور آہ و گریہ کیا اور یہ سنّت سر پر ہاتھ مارنے کی اپنی اولاد میں چھوڑی کہ وقت مصیبت سر پر ہاتھ ماریں اور گریہ کریں۔

غلام رسول صاحب اپنے رسالے کے ص ۷ پر لکھتے ہیں کہ ماتم کی خشتِ اوّل ابلیس نے رکھی قادری صاحب، یہ خشتِ اوّل تو حضرت آدمؑ نے رکھی۔ ذرا غور و فکر تو کریں قاضی مظہر اپنے رسالے میں لکھتے ہیں کہ معارج النبوۃ ہماری معتبر کتاب نہیں۔ کیوں قاضی صاحب، جب ہم آپ کی کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں تو وہ غیر معتبر ہو جاتی ہے اور جس کتاب کا آپ حوالہ دیں، وہ شیعہ کے لیے معتبر کتاب ہو جاتی ہے، کیا یہی انصاف کا تقاضا ہے ؟

حضرت آدمؑ کی وفات پر اولاد کا ماتم

جب حضرت آدمؑ کا انتقال ہوا تو اُن کے بیٹوں اور پوتوں میں چالیس ہزار اولادیں موجود تھیں، جنہوں نے اُن پر ماتم کیا۔ حضرت آدمؑ کی موت طبعی تھی، شہادت نہ تھی۔ اس کے باوجود دادا کی جدائی پر ماتم ثابت ہے۔

(معروف کتاب سیرت حلبیہ، ج ا، ص ۱۱۵، مصنف علامہ علی ابنِ برہان الدین حلبیؒ، مترجم مولانا محمد اسلم قاسمی، فاضل دیوبند اشاعت جدید، مئی ۲۰۰۹ء، کراچی)

مصیبت میں سر پیٹنا سنّتِ حضرت یوسفؑ

ان جبریل دخل علی یوسف حینما کان فی السجن فقال ان بصر الیک ذهب من الحزن علیک فواضع یده علی راسه و قال لیت امی لم تلدنی و لم اک حزنا علیٰ ابی.

ترجمہ: ایک دن جبریلؑ جناب یوسفؑ کے پاس زندان میں آئے اور خبر دی کہ آپ کے باپ کی آنکھیں آپ کے غم میں بے کار ہوگئیں۔ حضرت یوسفؑ نے سر پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ کاش میری ماں مجھے نہ جنتی اور میں باپ کے لیے غم کا سبب نہ ہوتا۔

(تفسیر کبیر علامہ فخر الدین رازی، ج ۵، ص ۱۵۸)

قارئین کرام سے میری گزارش ہے کہ ذرا انصاف کا دامن تھام لیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ماتم کی شروعاتِ اوّل ابلیس نے رکھی ہے۔ اگر یہ فعل شیطانی ہے تو کیا معاذ اللہ حضرت آدم صفی اللہؑ اور حضرت یوسف صدیق نبیؑ اس فعل میں شیطان کے پیروکار تھے۔ خدا ایسے لوگوں کے شر سے بچائے جو خدمتِ دین کی آڑ میں انبیائے کرامؑ کو ابلیس کا مقلّد (یعنی پیروکار بناتے ہیں) اور ضعیف اور جھوٹی روایات کا سہارا لیتے ہیں۔ شیعہ

حضرات کا مقصد ماتمِ امام حسینؑ سے نبی پاکؐ کو پُرسا دینا ہے اور کسی مصیبت زدہ کو پُرسا دینا شرعاً مستحب ہے اور مستحب عمل عبادت ہوتا ہے، لہٰذا شیعہ ماتمِ امام حسینؑ کو عبادت سمجھتے ہیں اور مولویوں اور مفتیوں کے فتوؤں کی کوئی پروا نہیں کرتے۔

مصیبت کے وقت ماتم کرنا اور سر پیٹنا حضرت عمر کی سنّت

لـمـا نـعـى النعمان بن مقرن الى عمر ابن خطاب وضع يده على راسه و صاح يا اسفا على النعمان

ترجمہ: جب حضرت عمر کو نعمان بن مقرن کی موت کی خبر سنائی گئی تو سر پر ہاتھ مارا اور چیخ ماری۔ (یا اسفا علی النعمان)۔

(عقد الفرید، ج ۲، ص ۵، شہاب الدین مالکی، کنز العمال، ج ۸، ص ۱۱۷، کتاب الموت)

قادری صاحب اپنے رسالے کے ص ٦ پر لکھتے ہیں کہ ماتم کی ابتدا معلم الملکوت نے کی اور اس کی تقلید رافضیوں نے کی اور پہلے اس کی تقلید یزید نے کی۔ قادری صاحب! اس تقلید میں رافضیوں سے پہلے آپ کے بزرگ داخل ہو چکے تھے۔

تشریح: آج کل کے بعض ناخواندہ ملاؤں نے اسلام کا اپنے تئیں بیڑا غرق کر کے اپنے پیروکاروں کو گمراہ کر دیا ہے اور ان کا ستیاناس کر دیا ہے۔ اب وہ بیچارے کہاں جائیں، کیونکہ مسجد ملاّ ٹکی خور کو انھوں نے سربراہ بنا دیا ہے۔ وہ ملاّ شیعوں کو ابلیس کا طعنہ دے رہے ہیں اور یہ بھی نہیں سوچا کہ اس طعنے کی زد میں ان کے اپنے بڑے بڑے بزرگ بھی آ جائیں گے۔ ہمیں اس ملاّ سے تو اتنا گلہ نہیں ہے، جتنا کہ اس کتابچے پر تقریظ لکھنے والے نام نہاد محققین سے گلہ ہے۔ یا تو ان بیچاروں نے کتاب پڑھنے کی زحمت نہیں کی ہوگی اور ایسے ہی تقریظ لکھ ڈالی اور اگر پڑھ کر لکھی ہے تو حضرت

عمر کی ہتک کے مرتکب ہوئے ہیں۔

اہلسنّت برادران کو چاہیے کہ شیعہ حضرات پر اعتراض کرنے سے پہلے اس کتاب کی تصدیق کرنے والوں سے پوچھیں کہ آپ نے حضرت عمر کی نمک حرامی کیوں کی ہے؟ جب حضرت عمر عمل کرر ہے ہیں تو آپ نے اس عمل کی مخالفت کیوں کی۔ اگر حضرت عمر کا نعمان بن مقرن پر ماتم کرنا کوئی جرم نہیں تو پھر شیعہ حضرت امام حسینؑ کا ماتم کر کے رسول اللہؐ کو پُرسا دیں تو یہ جرم کیسے ہے؟ عجیب انصاف ہے کہ اہلسنّت کی معتبر کتب سے ہم نے حضرت عمر کا ماتم کرنا ثابت کیا ہے۔ ماتم کے مخالفین کے لیے بس اتنا لکھنا کافی ہے کہ الزام شیعہ کو دیتے ہیں قصور خود ان کا نکل آیا ہے۔ وفاتِ نبیؐ پر عورتوں نے اپنے رخسار پیٹ پیٹ کر سُرخ کر لیے۔

رسول اللّٰہ قد توفی علی الفراش النسوۃ حولہ فحمدن وجوھھن

ترجمہ: نبی کریمؐ نے اپنے بستر پر وفات پائی اور حضورؐ کے اردگرد جو عورتیں بیٹھی تھیں، پس انھوں نے پیٹ کر اپنے منہ سرخ کر لیے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی پاکؐ کی وفات پر مدینے کی عورتوں نے اپنے منہ سُرخ کر لیے تھے۔ اس بات کو ابنِ کثیر نے طوعاً وکرہاً تسلیم کر لیا ہے، کہ عورتوں نے منہ سرخ کر لیے تھے۔ ماتم کو تقلید یزید کہنے والے ذرا غور کریں کہ یہ سب عورتیں کس کے خاندان کی تھیں؟

سینہ پیٹنا حضرت عائشہ کی سنّت

قالت ان رسول اللّٰہ قبض وھو فی حجری ثم وضعت راسہ علی وسادت و قمت القدم مع النسآء و اضرب وجھی

ترجمہ: بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ نبی کریمؐ نے میری گود میں وفات پائی۔ میں نے

حضورؐ کا سر تکیے پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی اور حضورؐ کے غم میں، میں نے دوسری عورتوں کے ساتھ اپنا منہ بھی پیٹا اور سینہ بھی پیٹا۔

(سیرتِ ابنِ ہشام، ج ۴، ص ۶۵۵، تاریخ طبری، ج ۵، ص ۱۸۱۴، البدایہ والنہایہ، ج ۵ ص ۱۴۰، تاریخ الخمیس، ج ۲، ص ۱۶۶، شیخ حسین دیار بکری، سیرت حلبیہ، ج ۳، ص ۴۷۴، تاریخِ ابو الفدا، ج ۱، ص ۱۵۲، تاریخِ کامل ابنِ اثیر، ج ۲، ص ۱۵۵)

قارئین کرام! مولوی غلام رسول اپنے رسالے ابتدائے ماتم کے ص ۱۱ پر لکھتے ہیں کہ ماتم کرنے والی عورت کی کتے کی شکل ہے اور نیچے ایک غلط اور ضعیف روایت لکھی ہے اور اس پر تقریظ لکھنے والے مولوی عبدالرشید اپنی تقریظ میں ص ۴۸ پر فرماتے ہیں کہ موصوف نے ماتمینِ عصر کے دعویٰ باطلہ کو خوب آپریشن کیا ہے اور تا قیامت رفو ہونا ان کا ناممکن کر دیا ہے۔ اور پھر ملائے مذکور نے دعا دی کہ اللہ موصوف کو علمی و قلمی استعداد میں روز افزوں ترقی دی۔ میں اپنے برادران اہلسنّت سے التجا کروں گا کہ ان دونوں اور ان جیسے دوسرے ملاؤں کا کا محاسبہ کریں جو عزاداری کی مخالفت میں مظلوم کربلا کے ماتمیوں کو نازیبا تشبیہ دیتے ہیں اور ان کے رسالہ مذکورہ کے ص ۱۱ پر مذکور ہے کہ فرشتے اس کے پچھلے راستے سے آگ داخل کریں گے۔

اہلسنّت سے گزارش ہے کہ ان دونوں کو پہلے پڑھائیں تا کہ پہلے گھر سے پوری طرح باخبر ہوں۔ ہم نے اہلسنّت کی چھ معتبر کتابوں سے ثابت کیا ہے کہ رسول اللہؐ کی وفات پر بی بی عائشہ نے ماتم کیا ہے اور بی بی صاحبہ ان دونوں مولویوں کی ماں ہیں اور تمام مسلمانوں کی بھی ماں ہیں، لہٰذا ان سے کہو کہ اگر اور کسی کا نہیں تو اپنی ماں کا بھی تمہیں کوئی لحاظ و پاس نہیں۔ کچھ لحاظ کرو۔ شیعوں کی مخالفت کر کے زوج النبیؐ کا بھی خیال نہیں آتا۔ یہ لوگ عقل سے اتنے بے بہرہ ہوگئے ہیں کہ نبی کریمؐ کے حرم کو بھی نہیں دیکھا

ہے۔ کچھ تو خیال کرو۔ بے عقلی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

اہلِ انصاف سے گزارش ہے کہ وہ غور کریں کہ اگر (معاذ اللہ) ماتمی حضرات کے لیے یہ چار چیزیں ثابت ہیں: (۱) کتے کی شکل میں آنا (۲) فرشتوں کا ان کے عقب سے آگ داخل کرنا (۳) تقلیدِ ابلیس کرنا (۴) تقلیدِ یزید کرنا۔

تو یہی چار باتیں سامنے رکھ کر ان بدزبان ملّاؤں سے ذرا پوچھو کہ تم نے اپنے مذہب کی یہ کتابیں نہیں پڑھیں نہ دیکھیں، جن میں اُمّ المومنین کا ماتم کرنا مذکور ہے؟ تم نے اہلسنّت ہونے کا ذرا خیال نہیں کیا، اگر یہ چار باتیں ماتمی کے لیے دینِ اسلام میں ثابت ہیں تو بتاؤ، اُمّ المومنینؓ کے متعلق کیا جواب دو گے؟ کیا کوئی اہلسنّت ان بدزبانوں کو لگام دینے والا اور اُمّ المومنین کے گستاخوں کو پکڑنے والا نہیں ہے، جسے اپنی ماں کا لحاظ نہ ہو اُسے کیا کہا جاتا ہے۔ ہم نے اُمّ المومنین بی بی عائشہ کا ماتم ثابت کیا ہے۔ اب تنظیمِ خدامِ اہلسنّت کے جو جی میں آئے ماتمینِ عصر کو کہتے رہیں، ہم تو صرف اتنا عرض کریں گے:

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

ماتمِ زوجۂ حضرت عثمانؓ

و اقطع راسه فوقعت نائلة عليه و اُمّ البنين فصحن و ضربن الوجوه

ترجمہ: جب حضرت عثمان کے قتل کے وقت قاتل نے ان کا سر قلم کرنا چاہا تو ان کی زوجہ نائلہ اور ان کی زوجہ اُمّ البنین ان پر گر پڑیں اور چیخیں اور اپنے منہ پر ماتم کیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص ۸۹، تاریخ طبری، ج ۳، ص ۵۳۳، نفیس اکیڈمی)

قارئین کرام! یہ ملاّ حضرات ماتم کے سلسلے میں ہمیں تقلیدِ ابلیس یا تقلیدِ یزید کا طعنہ دینے والے کاش اپنی کتاب کا مطالعہ کرنے کی زحمت بھی گوارا فرما لیتے۔ ان کے تیسرے خلیفہ مدینۂ رسولؐ میں قتل ہو رہے تھے اور مدینہ صحابہ سے بھرا ہوا تھا اور ان کے خلیفہ اور امیر المومنین کی ان کی کسی صحابی نے مدد نہیں کی۔ بتائیں ذرا کہ صحابہ کرام کو جناب عثمان سے رنجش کیا تھی۔ یہ سارے عالم کو فتح کرنے والے صحابہ، میدان کے نمازی صحابہ، غیور صحابہ، ایمان کے محافظ صحابہ آپ کے ایک امیر المومنین حضرت عثمان بیچارے کی جان بچا نہ سکے، کچھ دال میں کالا ضرور ہے۔ آمدم بر سرِ مطلب جب حضرت عثمان کو قتل کیا جا رہا تھا تو ان کی ایک زوجہ نائلہ جو بقول تاریخِ طبری ایک نصرانی عورت تھی اور آپ کے ستّر سالہ امیر المومنینؑ نے اس سے شادی رچائی تھی اور دوسری زوجہ اُمّ البنین ان کے پاس موجود تھیں، پیارے اور مہربان شوہر کا قتل نہ دیکھ سکیں۔ چیخیں چلائیں روئیں۔ جب صرف رونے سے کام نہ چل سکا تو منہ پیٹنا شروع کر دیا اور ماتم کیا۔

قادری صاحب اب تم کیا کہتے ہو، ماتم کرنے والی عورت کے متعلق اور قیامت والے دن ماتم کرنے والی عورت کی شکل کے متعلق۔ بات یہ ہے کہ تم جیسے بدزبان ملاّؤں کو کیا کہا جائے۔ اگر سارے برادرانِ اسلام کا ہمیں پاس ولحاظ نہ ہوتا تو تم جیسے خارجی کو واضح الفاظ میں خود تمہارے محترمات کا بتایا جاتا۔ پھر کیا حشر ہوگا۔ عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے:

نہ تم صدمہ ہمیں دیتے نہ ہم فریاد ہی کرتے
نہ کھلتے رازِ سربستہ، نہ یوں رُسوائیاں ہوتیں

اہلِ انصاف ذرا غور کریں کہ اہلسنّت کے خلیفہ حضرت عثمان قتل ہوئے اور ان

کے گھران کی ازواج نے ماتم کیا ہے۔ اگر شیعہ حضرات غمِ امام حسینؑ میں ماتم کر کے رسول اللہؐ کو ان کی اولاد کا پُرسا دیں تو اس میں اہلسنّت کو اعتراض کیوں ہے۔

اعتراض: کوفے کے شیعوں نے حضرت امام حسینؑ سے بے وفائی کی ہے؟

جواب: نبی کریمؐ کے صحابہ کرام نے مدینہ منورہ میں حضرت عثمان سے بے وفائی کی ہے۔

حضرت عثمان کی بیٹیوں کا ماتم

و ذکر ابن جریر انھم ارادو جز راسه بعد قتله فصاح النسآء وضربن و جوههن فیهن امراتاه نائله و اُمّ البنین و بناتهٔ

ترجمہ: ابن جریر نے ذکر کیا ہے کہ جب قاتلوں نے حضرت عثمان کا سر قلم کرنے کا ارادہ کیا تو عورتوں نے چیخ و پکار کی اور اپنے منہ پیٹے۔ منہ پیٹنے والی عورتوں میں دو حضرت عثمان کی بیویاں تھیں: ایک نائلہ اور دوسری اُمّ البنین اور منہ پیٹنے والی عورتوں میں حضرت عثمان کی بیٹیاں بھی تھیں۔

قارئین کرام جب اہلسنّت کے تیسرے خلیفہ فاتحِ عالم جناب عثمان کے خلاف وہی تلواریں کھڑی ہوگئیں، جنھوں نے اُنہیں فاتح بنایا تھا، ورنہ نبی کریمؐ کے زمانے میں خیبر و خندق یا اُحد و حنین کی لڑائیوں میں جناب عثمان کی شجاعت کا حال خود اہلسنّت کو معلوم ہے۔ یہ حضرت خلفاء میں وصفِ حیا میں کچھ زیادہ ہی ممتاز تھے۔ بقول کتبِ اہلسنّت کے، نبی کریمؐ کو شیخین سے اتنی زیادہ شرم وحیا نہیں تھی جتنی کہ حضرت عثمان سے، لیکن افسوس اہلِ مدینہ جن کی نبی کریمؐ اتنی حیا کرتے تھے اس کی اتنی بھی حیا نہ کر سکے کہ ان کی سفارش کرتے اور ستّر سالہ امیر المومنین کو بچا لیتے۔ شاید اہل مدینہ یہ چاہتے تھے

کہ جگہ خالی ہو جائے اور ماں جی بھی ان سے ناراض (بی بی عائشہ) تھیں کیونکہ انھوں نے ان کے وظیفے کے مقدار میں کچھ کمی کر دی تھی۔

(شرح صحیح مسلم، ج۲، ص۳۲۱)

آمدم برسر مطلب، جب جناب کے قتل کا وقت آیا تو ان کے قتل پر جن جن عورتوں نے ماتم کیا ہے، ان میں حضرت عثمان کی پیاری بیٹیاں بھی شامل ہیں، اگر ماتم کرنا برا ہے تو قتلِ عثمان کے ذکر میں سنّی مورخ کو اس برے کام کی نسبت حضرت عثمان کی بیٹیوں کی طرف دینے کی کیا ضرورت تھی۔ دراصل بات یہ ہے کہ ذکر ماتم سے سنّی مورّخ جناب عثمان کی مظلومیت کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔ تو پھر اہلسنّت کے لیے غور کا مقام ہے کہ بنات عثمان کا ماتم عثمان کی مظلومیت کے لیے جائز ہے اور اسے اہلسنّت کے مورّخ بیان کر سکتے ہیں اور ملاّؤں کے فتووں کی کتاب بند ہے اور جب شیعہ حضرت امام حسینؑ فرزند رسولؐ کی مظلومیت کے بیان کی خاطر جناب امام حسینؑ کی بہنوں اور بیٹیوں کے ماتم کا ذکر کریں تو تعصب کی کمان سے فتووں کے تیر برسنے شروع ہو جاتے ہیں۔ اربابِ انصاف اہلِ تشیع کو طعنہ دیا جاتا ہے کہ ماتم زوجۂ یزید نے کیا۔ آپ غور کریں کہ کیا عثمان کی بیٹیوں کو بھی یزید کی تقلید کا شرف حاصل تھا۔ ہمیں طعنہ دیا جاتا ہے کہ ماتم اور نوحہ تقلید ابلیس ہے۔ آپ غور کریں کہ روزِ قتل جناب عثمان، ان کی اولاد نے کیا ابلیس کی پیروی کا مظاہرہ کیا تھا۔ تمہارے اپنے قتل ہوئے تو نوحہ بھی ہوا تھا اور ماتم بھی ہوا۔ اب اسے جو مرضی کہہ لو۔

اہلِ ماتم کو کھانا کھلانا

عن العباس بن موسیٰ بن جعفر عن ابیه فی حدیث انه سأل عن

الماتم فقال ان رسول اللّٰہ قال ابعثوا الی اهل جعفر طعاما فجرت السنة الیٰ الیوم و کان علی بن الحسین یعمل لهن الطعام للماتم

ترجمہ: حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اہل ماتم کو طعام دینے کے متعلق سوال کیا گیا تو امامؑ نے فرمایا یہ جائز ہے۔ نبی پاکؐ نے جب حضرت جعفرؑ ابن ابی طالبؑ شہید ہوئے تو اہل وعیال کو جو ماتم میں مصروف تھے کھانا بھجوانے کا حکم دیا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام بھی ان مستورات کے لیے کھانے کا بندوبست کرتے تھے، جو ماتم میں مصروف رہتی تھیں۔

(وسائل الشیعہ کتاب الطفاۃ)

قارئین کرام! جو لوگ ماتمِ امامِ مظلومؑ میں مصروف ہوں، اگر ان کو نذر و نیاز کھلائی جائے تو ملاّ حضرات خوب تمسخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ماتم صرف نذر و نیاز اڑانے کے لیے ہی تو ہے لیکن جب ان کے اپنے پیٹ کا مرحلہ آتا ہے تو عجیب عجیب حدیثیں حلوے کی شان میں پیش کر کے حلوے کی بڑی بڑی پلیٹیں بھر بھر کے کھاتے ہیں۔ ان میں کچھ بے ہوش ہو جاتے ہیں اور کچھ مر بھی جاتے ہیں۔ ابھی کچھ ماہ پہلے رویت ہلال کمیٹی والے کو کسی نے حلوہ کھلایا تو وہ بیچارے ہسپتال پہنچ گئے تھے، یہ ہے حلوے کی کرامت۔

حلوہ اور ملاّں

من لقم اخاه لقمة حلواه و لم یکن فخافة من شره و لا رجاء لغیره صرف اللّٰه عنه سبعین بلوی حتی القیامه

ترجمہ: جو شخص کسی برادر کو (یعنی مسجد کے ملاّ کو) ایک لقمہ حلوہ کھلائے گا تو اللہ

تعالیٰ روزِ قیامت اس سے ستّر بلائیں دور کرے گا۔

(تاریخ بغداد، ج ۴، ص ۸۵)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے اگر فرزندِ رسولؐ پر کوئی گریہ و ماتم کرے تو اس کے ثواب کے منکر ہیں۔ ملاّ اور عذاب کا قائل، اہلِ ماتم کو اگر نیاز کھلائی جائے تو اس کے ثواب کا منکر ہے لیکن جب اس کے اپنے دوزخ (یعنی پیٹ) کو حلوہ سے بھرا جائے تو ایک ایک لقمہ سے ستّر ستّر بلا دور ہو جاتی ہے۔

مظلوم کربلاؑ کے ماتم کی اجازت

عن صادق و لقد شققن الجیوب و نطمئن الخدود الفاطمیات علی الحسینؑ ابن علی و علی مثله تلطم الخدود و تشق الجیوب

ترجمہ: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ فاطمہ زہراؑ کی بیٹیوں نے حضرت امام حسینؑ کی مصیبت پر اپنے منہ بھی پیٹے اور گریبان بھی چاک کیے (اور فرمایا) حسینؑ جیسی ذاتِ پاک کے غم میں منہ پیٹے جائیں اور گریبان چاک کیے جائیں۔

(وسائل الشیعہ، جواہر الکلام، ج ۴، ص ۳۷۰)

قارئین کرام! اہلِ تشیع کے حضرت امام جعفر صادقؑ نے شیعوں کو امامِ مظلوم حسینؑ ابن علیؑ کے ماتم کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا کسی اور مذہب کے علماء کے فتاویٰ کا انبار ان کے لیے بیکار ہے۔ آیات اور روایاتِ صبر کو جمع کر کے قاضی اور قادری نے کتابیں لکھ دیں۔ ان دونوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان آیات و روایات کی دلالت ماتمِ امام حسینؑ پر بالکل نہیں اور ہم نے جو یہ روایت وسائل الشیعہ اور جواہر الکلام سے پیش کی ہے، اس میں

صراحت ہے کہ علیٰ مثلہ تلطم الخدود و تشق الجیوب ۔حضرت امام حسینؑ جیسی پاک ذات کے غم میں منہ پیٹے جائیں اور یہ فرمان کسی زمانے پر مقید نہیں، یعنی حضرت امام حسینؑ پر ہر سال محرّم میں یا اس کے علاوہ جب بھی کوئی ماتم کرے تو جائز ہے۔

قادری غلام رسول کا تجرِ علمی دیکھیے کہ رسالہ ابتدائے ماتم کے ص ا پر لکھا ہے کہ روافض کی کتاب تحفۃ العوام سے لے کر تہذیب الاحکام تک ایک حوالہ بھی ایسا نہیں ملتا جس میں امام الائمہ حضرت مولا علیؑ شیر خدا سے لے کر امام غائبؑ تک کسی ایک امام نے ماتم کیا ہو یا مومنین و مومنات کو حکم دیا ہو۔

اربابِ انصاف، حضرت امام جعفر صادقؑ شیعوں کے ششم امام ہیں۔ وسائل و جواہر دونوں شیعوں کی فقہ و حدیث کی کتابیں ہیں اور میں نے ان دونوں کتابوں میں امامؑ کا فرمان مومنین و مومنات کے لیے دکھا دیا ہے۔ میرے اس حوالے کے بعد اگر غلام رسول صاحب غور و فکر سے کام لیں تو نہ صرف اُن کا بلکہ بہتوں کا بھلا ہوگا۔ نیز یہی درخواست قاضی مظہر کے لیے بھی کافی ہے۔ بشرط یہ کہ ان میں کچھ نیک نیتی اور انصاف ہو، ورنہ ایسے لوگوں کو امامِ پاکؑ ماتم کر کے بھی دکھا دیں تو بھی یہ نہیں مانیں گے۔

قاضی مظہر کے رسالے ''ہم ماتم کیوں نہیں کرتے؟'' کی تقریظ میں مولانا محمد حسین چنیوٹی لکھتے ہیں کہ ماتم کے حرام ہونے پر مؤلّف نے نہایت تحقیقی دلائل دیے ہیں، جن کا جواب کوئی غالی شیعہ دینے کی جرأت قیامت تک نہ کر سکے گا۔ چنیوٹی صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ ناصبی اور غالی دونوں پر ہم لعنت کرتے ہیں جہاں تک جواب کا تعلق ہے تو جواب نام ہے قرآن و حدیث سے کسی شئے کے جواز ثابت

کرنے کا تو ہم نے قرآن و حدیث دونوں سے جواز ثابت کر دیا ہے اور اگر جواب کے معنی آپ کے ذہن میں کوئی اور ہوں تو وضاحت کریں۔

بنی ہاشم کی مستورات کا ماتم

فاقام عمر بن سعد قتله یومین ثم ارتحل الی الکوفه و حمل معه بنات الحسین و اخواته و من کان معه من الصبیان و علی ابن الحسین مریض فاجتازوابهم علی الحسین و اصحابه صرعی فصاح النساء و لطمن خدودهن وصاحت زینب اخته یا محمداه صلی علیک ملائکة السماء هذا الحسین با اصراء.

ترجمہ: حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد عمر سعد نے دو دن کربلا میں قیام کیا اور پھر کوفے کی طرف کوچ کیا اور اس کے ساتھ حضرت امام حسینؑ کے بچے اور بہنیں بھی اسیر تھیں جب حضرت امام حسینؑ اور اصحاب کی لاشوں پر سے ان سب کو لے کر گزرا تو سب مستورات روئیں اور اپنے منہ پیٹے اور حضرت زینبؑ نے فریاد کی۔ یا محمداہؐ۔ آپؐ پر ملائکہؑ یعنی آسمان کے فرشتے سلام پڑھتے ہیں اور میرا بھائی حسینؑ بے آسرا خون میں غلطاں ہے۔

(تاریخ کامل ابن اثیر، ج ۴، ص ۴۲)

انبیاءؑ اور ائمہؑ کا ماتم جائز

یستثنی من ذالک مولدا ابی عبدالله الحسین ففی حسنة عن الصادق کل الجزع والبکا مکروه ما خلا الجزع والبکاء لقتل الحسین روی عن جابر عن الباقر اشد الجزع الصراخ بالویه والعویل

ولطم الوجه ولصدور و جزا الشعر و قد یستثنی الانبیاء والائمة کلھم

ترجمہ: امامؑ فرماتے ہیں کہ اس معروف والی آیت کے حکم سے حضرت امام حسینؑ مستثنیٰ ہیں نیز ایک اور روایت حسنہ میں ہے کہ حضرت امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ ہر جزع اور بکاء مکروہ ہے سوائے اس جزع اور بکاء کے جو قتلِ حسینؑ پر ہو۔ خلاصہ یہ کہ تمام انبیاءؑ اور ائمہؑ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ لہٰذا انبیاءؑ اور ائمہؑ کا ماتم جائز ہے۔

(اہلِ تشیُّع کی کتاب 'ارشاد المبتدئین، ص ۱۴۱)

رسول اللہؐ کا حضرت حمزہؓ کی لاش پر گریہ

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین

ترجمہ: اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہو، لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

(تفسیر نور ثقلین، ج ۵، ص ۱۲۵)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ روزِ اُحد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: کیا کسی کو میرے چچا حمزہؓ کا علم ہے۔ حارث بن الصمت نے کہا کہ مجھے ان کے مقامِ شہادت کا علم ہے۔ چنانچہ وہ گیا اور حضرت حمزہؓ کی لاش پر پہنچا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر اتنا ظلم ہو چکا تھا کہ وہ رسول اللہؐ کو بتانے کے لیے واپس نہ آیا۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا کہ اے علیؑ تم جاؤ اور اپنے چچا کو تلاش کرو۔ حضرت علیؑ آئے اور انھوں نے حضرت حمزہؓ کی لاش کو دیکھا۔ انھیں رسول خداؐ کے پاس جانے سے شرم محسوس ہوئی۔ اتنے میں رسول خداؐ خود چلتے ہوئے تشریف لائے، جب آپ نے حضرت حمزہؓ کی لاش کی بے

حرمتی دیکھی تو آپؐ رونے لگے اور فرمایا میں نے اس سے زیادہ دلخراش منظر کبھی نہیں دیکھا۔ اگر خدا نے مجھے قریش پر تسلّط عطا کیا تو میں ان کے ستّر آدمی قتل کروں گا۔

حضرت جبریل امینؑ نازل ہوئے اور انھوں نے آپ کو اللہ کا یہ پیغام دیا:

و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین

(سورۂ نحل، آیت ۱۲۶)

ترجمہ: اور اگر تم بدلہ لینا چاہو تو اسی قدر لو جتنی تم پر زیادتی کی گئی ہو، لیکن اگر تم صبر کرو تو یقیناً یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔

رسول خداؐ نے فرمایا کہ میں صبر کروں گا۔ معلوم ہوا کہ رونا اور ہے اور صبر کرنا اور ہے۔ رسول اللہؐ نے رونے کے بعد کہا کہ میں صبر کروں گا۔ عجیب صبر رسولِ خداؐ کا ہے۔ اصل میں یہ ہمارے لیے سبق ہے کہ مصیبت میں رونا سنّتِ رسولؐ ہے)، کیونکہ نہ رونا صبر کے زمرے میں نہیں آتا۔ اگر نہ رونا صبر کے زمرے میں ہوتا تو رسول اللہؐ کبھی نہ روتے۔ کیونکہ رسولؐ معصوم ہیں اور معصومؑ کے قول اور فعل میں تضاد نہیں ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا کہ **فصبر جمیل** یعنی میں اچھا صبر کروں گا۔ (سورۂ یوسف، ۱۸) حالاں کہ قرآن گواہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے اتنا رونا شروع کیا حضرت یوسفؑ کی جدائی میں کہ ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں۔

اسی سورے میں آگے پارہ ۱۳ میں آتا ہے کہ **وابیضت عینہ من الحزن فھو کظیم** حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں۔ (سورۂ یوسف، ۸۴) حضرت یوسفؑ کے غم سے ان کا دل بھرا ہوا تھا، حالانکہ حضرت یعقوبؑ نبی ہیں اور معصوم ہیں۔

کبھی بھی اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں کرتے۔ اگر یہ عمل حضرت یعقوبؑ کا اللہ کی مرضی کے خلاف تھا تو اللہ نے کیوں نہیں روکا۔ ہمیں کوئی بھی پورے قرآن میں دکھائے کہ کسی نبیؑ کے رونے پر اللہ نے روکا ہو۔ نہیں نہیں جب اللہ خاموش ہے تو پھر یہ ملاّ لوگ فتویٰ کیوں جاری کرتے ہیں۔ یا تو یہ ملاّ حضرات جھوٹے ہیں اور اگر ملاّ جھوٹا نہیں تو قرآن کو نعوذ باللہ نعوذ باللہ کیا کہو گے، جبکہ کائنات میں قرآن جیسی سچی کتاب مجھے اور کسی بھی عقل رکھنے والے کو نظر نہیں آتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ہر نبیؑ نے مصیبت کے دوران گریہ کیا ہے۔ یہ گریہ رونے سے بڑھتا ہے۔ جب کوئی روتا ہے تو جوش میں آ کر کبھی منہ کو پیٹتا ہے اور کبھی اپنے سر میں اپنے دونوں ہاتھوں کو مارتا ہے جب زیادہ جوش میں آتا ہے تو اپنے سینہ کو بھی مارتا ہے۔ پھر وہ روتا روتا اتنا جوش میں آتا ہے تو اپنا سر دیواروں پر دے مارتا ہے۔ جب کسی کا سر دیوار پر لگتا ہے تو خون بھی بہنے لگتا ہے۔ پھر ہو سکتا ہے کہ وہ بے ہوش ہو جائے۔ یہ انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ اتنا کچھ کیوں ہوا۔ یہ رونے سے ہوا۔ اسی رونے کو تو ماتم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ کہ ماتم کی ابتدا رونے سے ہوتی ہے۔

بقولِ جناب عقیلؔ عبّاس جعفری:

کس کے روکے سے رُک سکا ماتم
اور وہ بھی حسینؑ کا ماتم

میں اہلِ اسلام سے گزارش کرتا ہوں کہ کوئی مجھے اس رونے کی قرآن اور صحیح حدیث میں ممانعت دکھادے تو آئیں ہم اس رونے پر پابندی لگادیں۔ لیکن ان شاءاللہ میرے اس چیلنج کو قیامت تک کوئی قبول نہیں کرے گا۔ جب ہم اپنوں کے لیے روتے

ہیں اور اس پر ملاّ حضرات اپنے اپنے فتووں کو الماری میں بند کر کے رکھتے ہیں تو ماتمِ امام حسینؑ پر یہ فتوے کیوں نکل آتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس میں بھی کوئی نہ کوئی راز ہے، کیونکہ جب ماتمِ امام حسینؑ ہوتا ہے تو ان کے بڑوں کے پول کھلتے ہیں۔ اس لیے وہ روکتے ہیں کہ نہ ماتمِ امام حسینؑ ہوگا نہ قاتلوں کا پتا چلے گا۔ جب قاتلوں کا پتا چل گیا تو جو اِن قاتلوں کے پیروکار ہیں، وہ میدان میں کھل کر سامنے آجائیں گے۔ جب ظاہر ہوں گے تو لوگ ان سے نفرت کریں گے، جب لوگ ان ملاّؤں سے نفرت کریں گے تو یہ بیچارے ملاّ لوگ کہاں سے کھائیں گے۔ اصل مسئلہ پیٹ کا ہے۔ اگر یہ پیٹ نہ ہوتا تو یہ ملاّ فتویٰ بھی نہ دیتا کہ ماتم بند کرو۔

میں اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ تم ماتم نہیں کرتے، جب کسی کے اوپر کوئی بلا، کوئی مصیبت آتی ہے تو پھر وہ گھر سے نکل کر بازاروں میں آتا ہے اور جلوس نکالتا ہے، سڑکوں پر آتا ہے، ہڑتال کرتا ہے، یہ کیوں ہڑتال کرتا ہے۔ جب اُس سے پوچھا جاتا ہے کہ آپ نے جلوس کیوں نکالا ہے تو جواب میں وہ کہتا ہے، میرے ساتھ ظلم ہوا ہے اور میں مظلوم ہوں۔ میرا بھائی بے گناہ مارا گیا ہے۔ اس لیے یہ لوگ جمع ہوئے ہیں اور یہ میری حمایت کرتے ہیں اور یہ ہمارے حامی ہیں۔ گویا معلوم ہوا کہ یہ جتنے بھی جلوس میں شامل تھے یہ سارے کے سارے اس کی حمایت کرنے والے تھے اور ظالم کے ظلم کے خلاف اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ کر صف آرا ہو کر احتجاج کر رہے تھے تاکہ حکومت ان کا محاسبہ کرے جنہوں نے ظلم کیا ہے۔ افسوس ہے ان لوگوں پر کوئی ظلم کرتا ہے تو ان کے لیے رونا جائز ہے، ماتم کرنا جائز ہے، کالی پٹی باندھنا جائز ہے اور جلوس نکالنا جائز ہے۔ بازاروں میں آنا جائز ہے۔ غریبوں کی گاڑیاں جلانا جائز ہے۔

عمارتیں جلانا جائز ہے۔ بے گناہ چھوٹے بچوں اور بڑوں کو مارنا جائز ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مقتول کے قاتل کو پکڑا جائے۔ جب آپ کے ساتھ کچھ ہو جائے تو آپ کہہ سکتے ہو کہ مقتول کے قاتل کو پکڑو۔ مقتول کے قاتل پکڑو۔ ہم چودہ سو سال سے احتجاج کر رہے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ کے قاتلوں کو پکڑو اور حضرت علیؑ کے قاتلوں کو پکڑو، امام حسنؑ کے قاتلوں کو پکڑو۔

میں آپ کے سامنے دورِ حاضر کے ایک بڑے واقعہ کی مثال پیش کرتا ہوں، جب ہماری سندھ کی رہنما، ہم سب کی بہن اور چھوٹے بچوں کی ماں ذوالفقار علی بھٹو کی بیٹی دنیا کی بہت بڑی لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو کی شہادت شہر راولپنڈی اسلام آباد میں لیاقت باغ میں گولی لگنے سے ہوئی۔ یہ واقعہ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۷ء میں ہوا تھا۔ محترمہ بے نظیر صاحبہ کی شہادت کے بعد پاکستان کے لوگوں نے کافی تعداد میں اپنے آپ کو یتیم محسوس کیا اور محترمہ بے نظیر بھٹو کی حمایت میں لوگوں نے ایک تہلکہ مچا دیا تھا۔ سڑکوں کو بند کیا، بہت سارے شہروں میں تباہی مچادی۔ بینکوں کو جلایا گیا۔ کروڑوں روپے کی عمارتوں کو جلا دیا گیا۔ کافی تعداد میں گاڑیوں کو نذرِ آتش کیا گیا۔ اربوں کھربوں کا نقصان ہوا اور ایک ہفتے تک لوگوں کو سواری نہیں ملتی تھی، سواریاں بند تھیں۔ یہ کیوں کیا گیا اس لیے کیا تا کہ لوگوں کو پتا چلے کہ مخالف کون ہے اور موافق کون ہے۔ دوست کون ہے اور دشمن کون ہے۔ جب لوگوں نے جلوس نکالا تو ان جلوسوں میں لوگ لاکھوں کی تعداد میں تھے اب ان میں کچھ تماشا دیکھنے والے بھی موجود تھے۔ اب اپنوں کا پتا تب چلا کہ جب انھوں نے ماتم شروع کیا۔ تمام ٹی وی چینلز نے دکھایا۔ بس جنھوں نے ماتم کیا وہ اپنے ہو گئے اور جنھوں نے ان ماتم کرنے والوں کو کھڑے ہو کر دیکھا وہ صرف

تماشائی بن کر رہ گئے۔

لوگو، ذرا غور کرو کہ جب شیعہ محمد مصطفیٰؐ کو پُرسا دینے کے لیے اُن کی اولاد کا ماتم کرتے ہیں تو مظلوم کربلاؑ کو اپنا سمجھ کر ماتم کرتے ہیں۔ باقی بہتّر فرقے اور مذاہب تماشائی بن کر دیکھتے رہتے ہیں۔ اور فتویٰ جاری کرتے ہیں کہ اس کی دلیل نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں۔ یہ خوامخواہ اپنے آپ کو پیٹتے ہیں اور یہ بدعت ہے۔

مجھے افسوس ہے جو کام سنّت کے مطابق شیعہ قوم کر رہی ہے، اس کو بدعت کہا جاتا ہے اور جو لوگ سنّت کو چھوڑ کر خود بدعت کرتے ہیں اس کو سنّت کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے کیا کہا جا سکتا ہے سوائے اس کے کہ خدا ان کو ہدایت کرے اور کچھ نہیں۔

اب میں اِن ملّاؤں سے پوچھتا ہوں کہ اس وقت آپ کہاں تھے، جب محترمہ بے نظیر صاحبہ کے شہر گڑھی خدا بخش ضلع لاڑکانہ میں ماتم ہو رہا تھا۔ اس وقت آپ کے فتووں کی کتابیں کہاں گم ہوگئی تھیں۔ کیا کسی دریا کے سپرد کی تھیں کہ آپ نے اس وقت فتویٰ جاری نہیں کیا کہ یہ ماتم کرنا حرام ہے۔ اس وقت آپ کی زبان کیوں نہیں کھلی اور کیوں آپ خاموش رہے نہ ہی آپ نے ان کے خلاف جلوس نکالا اور کیوں آپ نے تقاریر میں اس ماتم کی مخالفت نہیں کی۔ آپ خاموش رہے کہ کل یہی لوگ کہیں گے کہ یہ باغی ہیں اور منافق ہیں، اس لیے آپ خاموش رہے۔

قارئین کرام سے میری یہ گزارش ہے کہ جو بے نظیر صاحبہ کا ماتم نہ کرے، مخالفت کرے، اس کو حمایتی تصور نہیں کیا جائے گا۔ اس کو باغی تصور کیا جائے گا۔ اس کو منافق تصور کیا جائے گا۔ اب پتا چلا کہ حمایتی اس کو کہا جاتا ہے جو غم میں شامل ہو اور جو غم میں شامل نہیں ہے اس کو حمایتی نہیں کہا جاتا۔ شیعہ قوم اور باقی تمام مذاہب میں فرق صرف

اورصرف یہ ہے کہ شیعہ ماتم حسینؑ کر کے ثابت کرتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ ہمارے ہیں۔ ہم امامؑ کے ہیں اور ہم حضرت امام حسینؑ کے حامی ہیں اور باقی تمام مذاہب کا حضرت امام حسینؑ سے قریبی واسطہ نہیں ہے، کیونکہ عمل سے پتا چلتا ہے کہ یہ حمایتی ہے اور یہ حمایتی نہیں۔ دوست اور دشمن میں فرق صرف اتنا ہے کہ دوست کو دکھ ہوتا ہے اور دشمن خوش ہوتا ہے۔ اس لیے ہم کہتے ہیں کہ اہلبیتؑ کو صرف ہم شیعہ ہی مانتے ہیں، باقی سب زبانی دعوے کرتے ہیں۔ زبان سے کہنا اور ہے اور دل سے ماننا اور ہے۔ جو صرف زبان سے مانتا ہے وہ عملی اقدام نہیں کرتا اور جو دل سے مانتا ہے وہ عمل کر کے دکھاتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ ہمارے ہیں اور ہم اُن کے ہیں۔

اب میں تھوڑی سی تعریف ماتم کی کرتا ہوں کہ ماتم کیا ہے اور ماتم کس کو کہتے ہیں۔ ماتم کے معنی ہیں مظلوم کی حمایت اور ظالم کے ظلم کے خلاف احتجاج، کیونکہ ظالم روتا نہیں ہے بلکہ مظلوم کے وارث روتے ہیں۔ قاتل تو کہتا ہے یہ قتل چھپ جائے اور مقتول کے وارث روتے ہیں۔ وہ جلوس نکال کر بازار بازار گلی گلی جا کر یہ کہتے ہیں کہ میرا مارا گیا میرا مارا گیا۔ قاتل تو روکتا ہے کہ نہ روؤ، کیونکہ ان کا عیب ظاہر ہوتا ہے، جیسے حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے اپنے باپ حضرت یعقوبؑ کو روکا تھا کہ کیوں اپنے آپ کو ہلاک کرتے ہو۔ یوسفؑ کو تو بھیڑیا لے گیا ہے، آپ کیوں روتے ہیں اس سے پتا چلا کہ مقتول کے وارث روتے ہیں قاتل نہیں روتا۔ آج بھی جو لوگ ماتمِ امامِ مظلومؑ سے نفرت کرتے ہیں اور روکتے ہیں یا تو خود حضرت امام حسینؑ کے قاتل ہیں یا قاتلوں کے حامی ہیں، ورنہ یہ لوگ اپنی زبانیں مظلومِ کربلاؑ نہ چلاتے اور اپنی زبان کو بند رکھتے۔

غمِ امام حسینؑ میں ماتم اور سر میں خاک ڈالنا

غمِ امام حسینؑ میں ماتم کرنا اور سر پر خاک ڈالنا سنّت نبیؐ ہے۔

قالت و دخلت علی اُمّ سلمه و هی تبکی فقلت ما یبکیک قالت رایت رسول اللّٰه تعنی فی المنام و علی راسه و لحیته، اتراب فقلت مالک یا رسول اللّٰه قال شهدت قتل الحسینؑ انفاً

ترجمہ: راوی کا بیان ہے کہ میں بی بی اُمّ سلمہؓ کے پاس آئی اس حالت میں کہ وہ رو رہی تھی اور میں نے پوچھا، آپ کو کس چیز نے رلایا ہے تو جناب سلمہؓ نے جواب دیا کہ میں نے نبی کریمؐ کو خواب میں اس حالت میں دیکھا کہ آنحضرتؐ کے سر اور داڑھی میں خاک تھی۔ میں نے پوچھا: یا رسول اللہؐ آپ کو کیا ہوا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا: میں ابھی ابھی قتل حسینؑ والی جگہ پر موجود تھا اور میرا حسینؑ مارا گیا۔

قارئین کرام اس حدیث سے ثابت ہوا کہ غمِ امام حسینؑ میں سر پر خاک ڈالنا سنّتِ رسولؐ ہے۔

اعتراض: دشمنان اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ ایک خواب ہے۔ (غیر نبیؑ کا) اور کسی غیر نبیؑ کا خواب حجت نہیں۔

جواب: اہلسنّت کی کتاب تاریخ خمیس، ج ۲، ص ۱۷۴۔

قال رسول اللّٰهؐ من رانی فی المنام فقد رانی و انه لا ینبغی للشیطان ان یتمثل فی صورتی

ترجمہ: حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا ہے، اس نے یقیناً مجھے ہی دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔

قارئین کرام! جس آدمی نے نبی پاکؐ کو بیداری میں نہیں دیکھا اگر خواب میں اسے کوئی صورت نظر آئے اور یہ کہے کہ میں نبی ہوں تو ایسا خواب حجت نہیں کیونکہ اس صورت کا نبیؐ کے علاوہ کوئی اور ہونا ممکن ہے اور جس نے بیداری میں نبیؐ کو دیکھا ہے اور پھر خواب میں دیکھے تو وہ صورت یقیناً نبیؐ ہیں اور اگر اس شخص کی روایت معتبر ہے تو دونوں صورتوں میں خواہ بیداری میں نبیؐ سے ملے یا خواب میں حجت ہے۔

نتیجہ: بی بی اُمِ سلمہؓ نے بیداری میں حضورؐ کو دیکھا ہوا ہے لہٰذا خواب میں شیطان ان کو گمراہ نہیں کرسکتا اور ان کا خواب حجت ہے۔

سر پر خاک ڈالنا سنّتِ حضرت عمر

روایت میں ہے کہ مصیبت کے وقت میں حضرت عمر نے بھی سر پر خاک ڈالی ہے۔

عن عتبه بن عامر قال لما طلق رسول الله حفصة بنت عمر فبلغ ذالک و عمر فوضع التراب علی راسه و جعل یقول ما یعبا الله بعمر بعد هذا

ترجمہ: راوی کہتا ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے بی بی حفصہ بنت حضرت عمر کو طلاق دی اور یہ خبر حضرت عمر کو پہنچی تو حضرت عمر نے سر پر خاک ڈالی اور کہنے لگا کہ اب اس کے بعد اللہ کی بارگاہ میں عمر کی کوئی آبرو نہیں۔

قارئین کرام! بیٹی کی طلاق ایک صدمہ ہے، لیکن آلِ نبیؐ کا گھر جس طرح ویران ہوا اور نواسۂ رسولؐ حضرت امام حسینؑ جس بیدردی سے شہید ہوئے، یہ اہلِ اسلام کے لیے ایک مصیبتِ عظمٰی ہے۔ منصف ذرا انصاف فرمائیں کہ حفصہ کی طلاق پر حضرت عمر

سر پر خاک ڈالیں تو یہ شرعاً جرم نہیں اور اگر حضرت امام حسینؑ کی یاد میں ہم لوگ سر پر خاک ڈالیں تو یہ بدعت ہے۔

قاضی جی! ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے غور و فکر کریں، بقول آپ کے ستّر مقامات پر قرآن میں صبر ہے۔ کیا حضرت عمر نے کوئی ایک آیت بھی نہیں پڑھی تھی، کیا نبی کریمؐ نے حضرت عمر کو درسِ صبر نہیں دیا تھا؟ کتاب کو تو آپ غیر معتبر کہہ کر نکل گئے۔ کیا کتاب حلیۃ الاولیا حافظ ابی نعیم کی بھی غیر معتبر ہے۔ دراصل بات حضرت عمر کی ہے، ناموسِ صحابہ کا سوال ہے۔

قاضی جی! بتاؤ کہ آج تک کسی باپ نے سوائے حضرت عمر کے بیٹی کی طلاق پر سر پر خاک ڈالی ہے۔ حضرت عمر کی یہ بے صبری طلاقِ حضرت حفصہ پر کیوں؟ دراصل نکتہ وہ ہے، جو بخاری شریف میں اس بی بی کی تزویج کے موقع پر مذکور ہے۔

اربابِ انصاف حضرت عمر نے بی بی حفصہ کی طلاق پر سر پر خاک ڈالی ہے اور اس چیز کو دیکھ کر اہلسنّت کے تمام اہلِ نظر خاموش ہیں، کیونکہ اپنے خلیفہ کی بات ہے اور جب عزاداریِ امام حسینؑ کا ذکر آتا ہے تو چونکہ وہ نواسۂ رسول ہیں اس لیے ان ملّاؤں کو ان سے کوئی تعلق نہیں لٰہذا عزاداری بدعت اور ماتم بدعت ہے۔ بے صبری گناہ ہے، جو کچھ ان کے منہ میں آتا ہے کہہ ڈالتے ہیں اور پھر کہتے ہیں ہم آلِ محمدؐ سے محبت رکھتے ہیں۔

بس اہلِ ایمان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا میں نے بیان کیا ہے اور یہ سب کچھ قرآن وحدیث میں بیان کیا جا چکا ہے۔ ایمان والوں کے لیے قرآن کی ایک آیت بھی کافی ہے اور رسول اللہؐ کی ایک حدیث کافی ہے۔ جو نہیں مانتا اس کو اگر پورا قرآن بھی سنا دیا جائے پھر بھی وہ نہیں مانے گا۔ اب میں آگے حضرت امام حسینؑ کے بارے میں

کچھ عرض کروں گا کہ حضرت امام حسینؑ نے اپنا آبائی شہر مدینہ کیوں چھوڑا، کیا مقصد تھا۔ مکہ مکرمہ کیوں تشریف لے گئے تھے اور پھر مکہ چھوڑ کر کربلا کی زمیں پر کیوں آئے تھے۔

حضرت امام حسینؑ کا مدینہ چھوڑنا

۱) حضرت امام حسینؑ نے مدینہ چھوڑا کیونکہ وہاں کا حاکم یزید کے حکم اور مروان کے اثر سے حضرت امام حسینؑ کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ مدینے میں حضرت امام حسینؑ کے لیے جائے پناہ نہ تھی۔ مدینے کو حفاظتِ جان کے لیے چھوڑا، نہ کہ شام پر حملہ کرنے کے لیے۔

۲) مدینہ چھوڑ کر کوفہ کی طرف نہیں گئے بلکہ مکہ کی طرف گئے کیونکہ وہ خدا کا گھر سمجھا جاتا تھا اور حرم میں کبوتر کا مارنا بھی حرام تھا۔

۳) یزید کے کارکنوں اور گماشتوں نے وہاں بھی تعاقب کیا۔ اندیشہ تھا کہ حرم میں قتل کر دیں گے اور حرم کی حرمت ضائع ہو جائے گی لہٰذا مکہ مجبوراً چھوڑنا پڑا۔

۴) سب سے بڑی بات دیکھنے کی یہ ہے کہ کس ساز و سامان کے ساتھ حضرت امام حسینؑ نے مدینہ و مکہ چھوڑا۔ گھر کی ساری عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور چند قریبی جوانوں کے ساتھ، نہ کوئی قوم ہمراہ تھی اور نہ کسی فوج کو جمع کرنے کی کوشش کی۔ کیا باغی لوگ اسی طرح حکومت پر حملہ کرنے کے لیے نکلتے ہیں؟

۵) حضرت امام حسنؑ کی شہادت اور مدینہ چھوڑنے کے درمیان حضرت امام حسینؑ کی زندگی جس طرح گزری ہے، اس کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ اس دوران میں نہ تو حضرت امام حسینؑ نے حکومت کے دشمنوں اور نکتہ چینوں کے ساتھ ساز باز کی، نہ فوج جمع کرنے کی کوشش کی اور نہ اپنے حقوق اور بنوامیّہ کے مظالم کو شہرت دی۔

۶) مکہ سے نکلنے کے بعد جب حضرت امام حسینؑ چھٹی منزل زبالہ پر پہنچے ہیں تو وہاں خبر آئی کہ تمام کوفی آپؑ کے خلاف ہو گئے ہیں اور حضرت مسلم ابن عقیلؑ، ہانی ابن عروہؓ اور آپؑ کے دیگر ساتھیوں کو قتل کیا گیا ہے۔ تو آپؑ نے اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا، جس میں ان کو حالات سے مطلع کیا اور صاف طور سے کہہ دیا کہ میں تو قتل ہونے کے لیے جا رہا ہوں۔ ہمارا کوئی دوست نہیں رہا۔ تم میں سے جو چاہتا ہے، وہ چلا جائے۔ میں نے تمہاری گردنوں سے اپنی بیعت کا طوق نکال لیا ہے۔ میرے ساتھ رہنے میں تم کو سوائے موت کے اور کچھ نہ ملے گا۔ یہ سن کر بہت سے لوگ چلے گئے۔ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مدینے سے آپ کے ساتھ ہوئے تھے۔

(تاریخ طبری، الجزالسادس، ص ۲۲۶، البدایہ والنہایہ فی التاریخ ابن کثیر شامی، الجزالثامن، ص ۱۶۹، اردو ترجمہ: تاریخ کامل، خلافت بنوامیہ، حصہ اوّل، ص ۱۶۵)

ہم اہلِ انصاف سے انصاف طلب کرتے ہیں۔ خدا لگتی کہئے کیا دنیا کے کسی ملک کے کسی زمانے کی تاریخ میں آپ نے دیکھا کہ جو شخص ملک فتح کرنے اٹھتا ہے اور جس کا مقصد ملک چھیننا ہوتا ہے وہ اپنے ساتھیوں اور مددگاروں کو موت سے ڈرا کر انھیں جدا کرتا ہے یا سچ و جھوٹ ملا کر اور فتح و فائدہ کی امید دلا کر انہیں اپنی مدد پر آمادہ کرتا ہے اور زیادہ سے زیادہ مددگار جمع کرتا ہے۔

دو تاریخ ماہِ محرّم الحرام ۶۱ھ بروز جمعرات حضرت امام حسینؑ کربلا میں وارد ہوئے۔ وہاں عمر سعد سے کئی ملاقاتیں ہوئیں اور صلح کی کوشش بھی کی گئی۔ حضرت امام حسینؑ نے صرف دو شرطیں پیش کی تھیں۔ ایک تو یہ کہ میں وہاں چلا جاؤں جہاں سے آیا ہوں، یا تو مجھ کو اس وسیع زمین میں کہیں اور جانے دو۔ حضرت امام حسینؑ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ مجھے یزید کے پاس لے چلو تاکہ میں اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں رکھ دوں۔ اگر یہی

مانناتھاتووطن سے ہی کیوں نکلتے۔عقبہ بن سمعان ہمیشہ حضرت امام حسینؑ کے ساتھ رہا۔ یہ اُمِّ رباب کا آزاد کردہ غلام تھا۔وہ کہتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے کبھی یہ شرط پیش نہیں کی کہ مجھے دمشق لے چلواور یزید کے سامنے پیش کردو۔

(اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنوامیہ ،حصہ اوّل،ص ۱۷۸، تاریخ طبری،الجزالسادس،ص ۲۳۵، البدایہ والنہایہ،الجزالثامن،ص ۱۷۵)

آخر کار جب ان لوگوں نے کسی بات کو نہ مانا اور لڑائی یقینی ہوگئی تو پھر حضرت امام حسینؑ نے خطبہ دیا اور لوگوں کو اجازت دی کہ رات کے اندھیرے میں جہاں چاہیں چلے جائیں۔آپ نے صاف صاف کہہ دیا کہ میری موت یقینی ہے، لیکن آپ کے اصحاب واقارب میں سے کوئی اس پر رضامند نہ ہوا اور آپ کے ساتھ قتل ہوجانے کو اپنی حیات ابدی کی ابتدا سمجھا۔حضرت امام حسینؑ کی یہ اجازت عین قتل کی رات کو اور ان اصحاب واقارب کا انکار اور موت کے لیے اصرار فطرتِ انسانی کے ارتقاء اور ارتقاع کی انتہائی منزل کا نمونہ ہے اور لوگ جو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام نے کیا سکھایا اور کیسے آدمی پیدا کیے، وہ آئیں اور کربلا کے میدان میں دیکھیں۔یہ نمونہ انہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں نظر نہیں آئے گا۔لشکروں کو فتح کرلینا آسان ہے لیکن موت کو فتح کرنا حسینؑ اور ان کے اصحاب کے لیے باقی رہ گیا تھا اس اجازت اور اس انکار کے لیے کتابیں دیکھو۔

(تاریخ طبری،الجزالسادس،ج ۹ ص ۳۸، البدایہ والنہایہ فی التاریخ،ابن کثیر شامی،الجزالثامن،ص ۱۷۶، اردو ترجمہ تاریخ کامل خلافت بنوامیہ ،حصہ اوّل،ص ۱۸۲)

اتنی بحث کے بعد بھی اگر کوئی یہی گمان کرتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا اور اس سے ملک چھیننے کے لیے اٹھے تھے تو اب مباہلے کا نہ تو زمانہ ہے اور نہ مباہلے والے آدمی موجود ہیں۔یہ ہی کہہ سکتا ہوں کہ ان لوگوں کی سمجھ کا

علاج میرے پاس نہیں ہے۔ کسی ماہر امراضِ دماغیہ کی طرف رجوع کریں۔

وصالِ رسولؐ کے ایک ہفتے کے اندر کے واقعات

یہ مضمون نہایت تکلیف دہ ہے۔ اس کے لیے صرف ابن قتیبہ کی کتاب الامامت والسیاست کے صفحات پر اکتفا کرتے ہیں۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں جب سب لوگ (حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنے والے) مسجد میں جمع ہوئے تو حضرت ابوبکر و حضرت عبیدہ بن جراح ان کے پاس آئے جبکہ حضرت ابوبکر کی بیعت ہو چکی تھی تو حضرت عمر نے ان سے کہا کہ میں تم کو یہاں کیوں جمع دیکھتا ہوں۔ اٹھو اور ابوبکر کی بیعت کرو۔ میں نے اور انصار نے ان کی بیعت کر لی ہے۔ اس پر عثمان بن عفان اور تمام بنو امیّہ نے ان کی بیعت کر لی اور پھر سعد و عبدالرحمٰن اور ان کے ساتھیوں نے بیعت کر لی، لیکن حضرت علیؑ اور عباسؓ اور بنو ہاشم جوان کے ساتھ تھے وہ بغیر بیعت کیے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ان کے ساتھ زبیر بن عوام بھی چلے گئے۔ پس ان کی طرف حضرت عمر مع ایک جماعت کے جن میں اسید بن حصیر اور سلمہ بن اشیم تھے گئے اور کہا کہ چلو ابوبکر کی بیعت کرو۔ انھوں نے انکار کیا، زبیر بن عوام تلوار لے کر نکلے اور حضرت عمر گھبرا کر لوگوں سے کہنے لگے کہ اس آدمی کو پکڑ لو۔ پس ان لوگوں نے زبیر کو پکڑ لیا۔ سلمہ بن اشیم نے اچھل کر تلوار چھین لی اور دیوار سے دے مارا اور زبیر کو پکڑ کر لے گئے۔ اس حالت میں اس نے بیعت کر لی اور اسی طرح بنو ہاشم نے بھی ماسوائے حضرت علیؑ کے بیعت کر لی، پھر حضرت علیؑ کو پکڑ کر حضرت ابوبکر کے پاس لائے، حضرت علیؑ کہتے جاتے تھے کہ میں خدا کا مطیع بندہ ہوں اور رسولِ خداؐ کا بھائی ہوں۔ اُن سے کہا گیا کہ ابوبکر کی بیعت کرو۔ انھوں نے جواب دیا کہ بیعت لینے کا میں تم سے زیادہ مستحق ہوں۔ میں تم سے ہرگز

بیعت نہ کروں گا۔ تم کو چاہیے کہ میری بیعت کرلو۔ تم نے انصار سے یہ امرِ خلافت اس دلیل و حجت کے ساتھ لیا ہے کہ تم کو رسولؐ خدا سے قربت ہے جو انصار کو حاصل نہ تھی اور اب ہم اہلبیتؑ سے یہ امرِ خلافت تم غصب کر کے لیتے ہو۔ کیا تم نے انصار سے یہ بحث نہیں کی کہ تم اس امرِ خلافت کے ان کی نسبت زیادہ مستحق ہو کیونکہ آنحضرت محمد مصطفیٰؐ تم میں سے ہیں۔ اس دلیل کو مان کر انھوں نے امرِ خلافت تمہارے سپرد کر دیا اور حکومت تم کو دے دی۔ اب میں تم پر وہی حجت قائم کرتا ہوں جو حجت تم نے انصار پر قائم کی تھی۔ ہم رسولِ خداؐ کے اُن کی حیات و ممات میں ولی و وارث ہیں۔

پس اگر تم محمدؐ اور اسلام پر ایمان لائے ہو تو ہمارے ساتھ انصاف کرو، ورنہ تم یہ ظلم جان بوجھ کر کر رہے ہو۔ حضرت عمر نے کہا ہم تم کو نہیں چھوڑیں گے جب تک تم بیعت نہ کرلو گے۔ حضرت علیؑ نے کہا، وہ نفع تو حاصل کرلے جس میں تیرا بھی حصہ ہے آج ابوبکر کے لیے تو شدت کرتا ہے تاکہ وہ اس کو تیری طرف واپس کردے۔ عمر قسم بخدا میں تیرا قول قبول نہیں کروں گا اور ابوبکر کی بیعت قبول نہیں کروں گا۔ اے گروہِ مہاجرین! آنحضرت محمد مصطفیٰؐ کی ریاست و حکومت کو ان کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں کی طرف نہ لے جاؤ اور آنحضرتؐ کے اہلبیتؑ کو ان کے مقامِ عزت سے نہ ہٹاؤ، قسم بخدا اے گروہِ مہاجرین، ہم تم سب سے زیادہ اس امرِ خلافت کے مستحق اور حقدار ہیں، کیونکہ ہم اہلبیتِ رسولؐ ہیں۔ اگر کوئی علمِ قرآن جاننے والا فقیہِ دینِ خدا، عالم، سنّتِ رسولؐ، صاحبِ اطلاع، امورِ رعایا، عادل و منصف رعایا سے ان کی تکالیف دور کرنے والا ہے تو وہ ہم ہیں۔ پس تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے اور حق سے بعید ہو جاؤ گے۔ بشیر ابن سعد انصاری نے کہا کہ اے علیؑ اگر

انصار تم سے یہ کلام ابوبکر کی بیعت کرنے سے پہلے سنتے تو کبھی تمھاری مخالفت نہ کرتے۔ حضرت علیؑ بغیر بیعت کیے اس مجمع سے واپس آ گئے۔

(ابن قتیبہ، کتاب الامامت والسیاست، الجزالاوّل ص ۱۱، ۱۲، تاریخ حبیب السیر، جلد اوّل، جز چہارم، ص ۲)

پھر آگے چل کر ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ راوی کہتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ان لوگوں کو جنھوں نے ان کی بیعت سے انکار کیا تھا تلاش کرنا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ کچھ لوگ حضرت علیؑ کے یہاں جمع ہیں۔ پس ان کی طرف حضرت عمر کو بھیجا۔ حضرت عمر نے حضرت علیؑ کے گھر پر آ کر آواز دی تو ان لوگوں نے باہر آنے سے انکار کیا۔ اس پر حضرت عمر نے جلنے والی لکڑیاں منگوائیں اور اس کے بعد کہا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں عمر کی جان ہے تم لوگ باہر نکل آؤ ورنہ میں اس گھر کو آگ لگا دوں گا اور وہ لوگ جو اس گھر میں ہیں، سب جل کر مر جائیں گے۔ لوگوں نے حضرت عمر سے کہا کہ اس گھر میں تو فاطمہؑ بنت رسول اللہؐ ہیں۔ حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہوا کریں مجھے ان کی پروا نہیں ہے۔ اس پر وہ سب لوگ سوائے علیؑ کے باہر نکل آئے اور جا کر بیعت کر لی۔ حضرت علیؑ نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن کو جمع نہ کر لوں گا گھر سے باہر نہ نکلوں گا اور نہ اپنے کندھے پر ردا ڈالوں گا۔ حضرت فاطمہؑ اپنے گھر کے دروازے پر آ کر کھڑی ہو گئیں اور فرمایا کہ میں ایسی قوم سے سروکار نہیں رکھتی جو اتنی بدی کرتی ہے کہ رسولِ خداؐ کے جنازے کو ہمارے درمیان میں چھوڑ کر چلے گئے اور اس امر کا خود ہی فیصلہ کر دیا اور ہم سے پوچھا تک نہیں اور ہمارے حق کو ہم سے چھین لیا۔ پھر حضرت عمر واپس آئے اور حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ تم ان سے بیعت کیوں نہیں لیتے۔ (حضرت ابوبکر نے اپنا غلام بار بار حضرت علیؑ کے پاس بھیجا وہ نہ آئے تو) پھر

حضرت عمر کھڑے ہوئے اور ایک جماعت کو لے کر حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آئے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جب حضرت فاطمہؑ نے ان کی آواز سنی تو آواز بلند کر کے فرمایا کہ اے والدِ بزرگوار! اے رسولِ خداؐ! ہم کو آپ کے بعد ابن الخطاب اور ابن ابی قحافہ سے کیا کیا مصائب دیکھنے نصیب ہوئے ہیں۔ جب اس جماعت نے حضرت فاطمہؑ کی آواز سنی اور گریہ وزاری ملاحظہ کی تو وہ روتے ہوئے واپس ہو گئے۔ صرف حضرت عمر ایک قلیل جماعت کے ساتھ باقی رہ گئے اور انھوں نے زبردستی حضرت علیؑ کو حضرت فاطمہؑ کے گھر سے نکال لیا اور ان کو لے کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور اس کے بعد فاضل مولّف نے حضرت علیؑ کے مخالفین کی ردوقدح لکھی ہے اور بیان کیا ہے کہ آخر کار حضرت علیؑ بغیر بیعت کیے ہوئے واپس چلے گئے اور قبرِ رسولؐ پر جا کر فریاد کی۔

اس کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ چلو جناب فاطمۃ الزہراؑ کے پاس چلیں۔ ہم نے ان کو غضبناک کر دیا ہے۔ پس یہ دونوں حضرت فاطمہؑ کے دروازے پر آئے اور آ کر اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضرت فاطمہؑ نے ان کو اجازت نہیں دی تو یہ دونوں حضرت علیؑ کے پاس آئے۔ پس حضرت علیؑ ان کو اندر لے گئے۔ جب وہ دونوں جناب فاطمہؑ کے پاس آ کر کھڑے ہوئے تو حضرت فاطمہؑ نے ان کی طرف سے منہ موڑ کر دیوار کی طرف رخ کر لیا۔ ان دونوں نے آپ کو سلام کیا تو حضرت فاطمہؑ نے سلام کا جواب نہ دیا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ اے رسولؐ کی پیاری بیٹی بخدا مجھے رسول اللہ کے قرابتدار اتنا ہی کہنے پائے تھے کہ جناب فاطمہؑ نے کہا کہ ''کیا تم دونوں چاہتے ہو میں تمھیں رسول اللہ کی ایسی حدیث سناؤں جو تم جانتے ہو''۔ انھوں نے عرض کی کہ ضرور وہ حدیث آپ ہمیں سنائیں۔ حضرت فاطمہؑ نے کہا کہ ''میں تم

دونوں کو قسم دے کر پوچھتی ہوں کہ کیا تم نے جناب رسول خداؐ کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا کہ فاطمہؑ کی خوشنودی میری خوشنودی ہے اور فاطمہؑ کا غضب میرا غضب ہے۔ پس جس نے میری دختر فاطمہؑ سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے فاطمہؑ کو راضی کیا اس نے مجھے راضی کیا اور جس نے فاطمہؑ کو غضبناک اور آزردہ کیا اس نے مجھے غضبناک اور آزردہ کیا''۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم نے یہ حدیث جناب رسول خداؐ سے اسی طرح سنی ہے۔ اس پر جنابِ فاطمہؑ نے فرمایا کہ ''میں خدا اور اُس کے ملائکہؑ کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھے آزردہ کیا اور غضب دلایا اور تم نے مجھے راضی نہیں کیا اور جب میں رسول خداؐ سے ملاقات کروں گی تو تم دونوں کی شکایت اُن سے کروں گی''۔ حضرت ابوبکر بہت روئے یہاں تک کہ قریب تھا کہ جان نازنین بدن سے مفارقت کر جائے لیکن حضرت فاطمہؑ کہتی جاتی تھیں: قسم بخدا میں ہر ایک نماز میں جو میں پڑھوں گی تیرے لیے بددعا کروں گی۔

نوٹ: حضرت فاطمہؑ کے گھر کو جلانے کے لیے لکڑیاں لے جانے کا واقعہ ہر ایک مؤرّخ نے بیان کیا ہے۔

(کتاب الامامت والسیاست، الجزالاوّل، ص ۱۴، تاریخ طبری، الجزالثالث، ص ۱۹۸، تاریخ ابوالفدا، الجزالاوّل، ص ۱۵۶، مروج الذہب الذہب مسعودی، الجزالثالث، ص ۲۴، ردالستعیاب الاستعاب، الجزالاوّل، عبداللہ بن ابی قحافہ ابوبکر، ص ۳۴۵، اردو ترجمہ ازالۃ الخفا مقصد، دوم ماثر ابوبکر ابن شحنہ کی روضۃ المناظر برحاشیہ جلد یازدھم، تاریخ کامل، ۱۱۳، ص ۲۲۶، ابن عبداللہ عقد الفرید، ج ۱۷۹)

حضرت محسنؑ ابن علیؑ ابن ابی طالبؑ کی شہادت

یہ امر تاریخی طور پر مسلّمہ ہے کہ جناب فاطمہ زہراؑ کا ایک لڑکے کا حمل ساقط ہوا تھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ جب امّتِ محمد یہ حضرت فاطمہؑ کے بیت الشّرف کے جلانے

کے لیے آمادہ تھی اور جناب فاطمہ دروازے کے پیچھے آکر فریاد کررہی تھیں تو ایک شخص نے دروازے پر زور سے لات ماری، جناب فاطمہؑ پر دروازہ گر پڑا، جس کے صدمے سے حمل ساقط ہوگیا اور جناب فاطمہؑ نے اسی علت میں انتقال فرمایا۔ دوسرا فریق کہتا ہے کہ کسی معتبر تاریخ میں یہ واقعہ درج نہیں ہے لہٰذا اس کو نہیں ماننا چاہیے، لیکن اس فرقے کے منصف مزاج اصحاب بھی دبی زبان سے اس کو مانتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ مولوی صدرالدین حنفی کی کتاب روائح المصطفیٰؐ کا اقتباس جو ہم نے اس کتاب کے واقعۂ فدک میں نقل کیا ہے۔ وہ معاملۂ فدک اور حمل ساقط ہونے کو ایک ہی نوع یعنی امت کے ظلم میں رکھتے ہیں کہ ان امور کی وجہ سے حضرت فاطمہؑ امت سے ناراض دنیا سے گئیں۔ اب جو جی چاہے ان کی تاویل کرلو، بہرحال یہ ایسی باتیں ہیں جن کا تعلق آخرت سے زیادہ ہے، بہ نسبت اس دنیا کے اور آخرت کے حاکم کے علم میں سب کچھ ہے۔ ہمیں بحث کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اسقاط حمل مسلّمہ ہے اور اس کی وجہ نہیں بتائی جاتی۔ ان ہی ایام میں جناب فاطمہؑ کی رحلت مسلّمہ ہے لیکن مرض کی نوعیت نہیں بیان کی جاتی اور ان معتبر تاریخوں کا بنوامیّہ کے زیر اثر مرتّب ہونا ثابت ہے تو پھر پڑھنے والے کے دل میں شبہات پیدا ہوں تو وہ حق بجانب ہے۔

ایوانِ خلافت میں دخترِ رسولؐ کا مقدمہ اور اس کا فیصلہ

جناب فاطمہؑ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ قضیۂ فدک ہے۔ اُس عالمِ حزن و یاس میں کہ جب آپ کی آنکھوں میں دنیا اندھیری تھی اور اپنی زندگی دوبھر معلوم ہوتی تھی، اس مشکل معاملے پر غور کرنا اور صحیح راستہ اختیار کرنا معمولی بات نہ تھی۔ فدک جناب فاطمہؑ کے قبضے میں تھا، حکومت نے اس پر قبضہ کرلیا اور حضرت فاطمہؑ کے عُمّال کو زبردستی

بے دخل کر دیا۔ حکام خلافت کا جو عمل آپ دیکھ چکی تھیں اور جو سلوک انھوں نے آپ کے ساتھ اب تک کیا تھا، اس سے ایک معمولی عقل کا آدمی بھی نتیجہ نکال سکتا تھا کہ ان کے دعویٰ کرنے پر بھی وہ لوگ فدک واپس نہیں دیں گے۔ باوجود اس کے آپ نے دعویٰ کیا۔ پھر یہ کہ اس زمانے کے رسم و رواج کے مطابق اگر آپ گھر پر حضرت عائشہ یا حضرت ابوبکر کے پاس جا کر کہتیں کہ ہمارے لیے یہی ایک ذریعہ معاش ہے، تم نے وہ چھین لیا وہ ہمیں واپس کر دو، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ باضابطہ سرِ دربار لوگوں کی موجودگی میں دعویٰ کیا اور لوگوں کے سامنے یہ فیصلہ سنا کہ آلِ رسولؐ (نعوذ باللہ) جھوٹ بول رہے ہیں آپ نے منفعتِ دنیاوی کے لیے جھوٹا دعویٰ کیا ہے، جو ہم خارج کرتے ہیں اور یہی حکومت کی سیاسی شکست تھی۔ ملکی سیاست کا پہلا اور نہایت اہم گُر ہے کہ اپنے دل کی حالت مخالف کو معلوم نہ ہو۔ اپنے دل کی حالت کو ظاہر کر دینا وہ احمقانہ فعل اور مجرمانہ عمل ہے جو سیاسی ضابطہ میں کسی صورت قابل معافی نہیں۔

اس صورت میں ایک فریق کی سب سے بڑی فتح یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے حریف کو اپنے قول و فعل پر مجبور کر دے کہ اُسے بغیر دلی حالت ظاہر کیے ہوئے کوئی اور چارہ کار ہی نظر نہ آئے۔ جناب رسولؐ خدا نے جیش اسامہ میں ان لوگوں کو شامل کر کے حکم دیا کہ فوراً مہم پر چلے جاؤ۔ انھوں نے نافرمانی کی۔ دل کی حالت ظاہر ہوئی۔ پھر آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ قلم دوات لاؤ میں ایسی وصیت لکھ دوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ اس وقت بھی نافرمانی کی اور رسولؐ اکرم پر (نعوذ باللہ) ہزیان کی تہمت لگا دی۔ اس سے زیادہ دل کی حالت اور کس طرح ظاہر ہوتی۔ اس طرح جناب فاطمہؑ نے براہِ راست دعویٰ فدک کر کے فریق مخالف کے اصل مدعا و مقصد کو بے نقاب کر دیا۔ حضرت فاطمہؑ نے خود

دربار خلافت میں اپنا دعویٰ کے ثبوت میں ان گواہوں کو پیش کر کے جن کی شہادت رسالت کی تصدیق کے لیے خداوند تعالیٰ نے کفار کے سامنے اپنے رسولؐ سے پیش کرائی تھی، حکومت کے بچاؤ کے سارے راستے بند کر دیے۔ اب تو صرف ایک ہی سوال رہ گیا تھا۔ بتاؤ تم مجھ کو اور علیؑ اور حسنینؑ کو (نعوذ باللہ) جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم حق پر نہیں ہو۔ دربار خلافت سے دعویٰ خارج ہوا، جس کے صریح معنی یہ تھے کہ تم اور تمہارے گواہان (نعوذ باللہ) جھوٹے ہیں اور کذب کے مرتکب ہوئے ہیں۔ اس وقت حضرت فاطمہؑ نے نہایت فصیح و بلیغ خطبہ لوگوں کے سامنے ادا فرمایا اور واپس تشریف لے آئیں۔ دیکھنے والی آنکھ اور غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیے۔ خود بخود صحیح نتیجے نکلتے آئیں گے۔ اس سے بہتر طریقہ حق کو ظاہر کرنے کا اس صورت حالات کے اندر اور کوئی نہ تھا اس نے اس فقرہ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ کو بھلا دیا جس پر فریق مخالف نے اپنی بحث کو قائم کیا تھا اور خود ہی اس فقرے کی تردید اور کتاب اللہ کی مخالفت کرنے لگے۔ کتاب اللہ کے احکام وراثت کو نظر انداز کرنے کے لیے ایک حدیث وضع کرنی پڑی۔ اس مقدمے کے فیصلے میں بہت کم عرصہ لگا ہو گا لیکن اس قلیل عرصے میں روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا۔ اب ہم اس مقدمے کو اصول عدل و انصاف کے مطابق ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

دعویٰ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ یہ تھا کہ جناب رسول اللہؐ نے فدک ان کو ہبہ کر کے دیا اور خمس و خیبر و اقطاع حوالیِ مدینہ میں ان کا حصہ بطور وارث کے ہے یعنی ترکۂ رسول خداؐ کی وہ حقدار ہیں۔

(صحیح بخاری، ج ۲، کتاب جہاد و سیر کتاب الخمس، باب فرض الخمس، ص ۱۹۱، صحیح مسلم، ج اوّل، کتاب جہاد و السیر، فتوح البلدان بلاذری، مطبوعہ ۱۳۵۰ھ، ص ۴۴، ۴۵)

عذر مدعا علیہ...... مدعا علیہ نے ہبہ کے متعلق حضرت فاطمہؑ سے کہا کہ ہم تمہارے بیان کو سچا نہیں سمجھتے، گواہیاں پیش کرو۔ وراثت سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے متعلق کہا کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا ہے نحن معاشر الانبیاء (لا نـــرث ولا نورث ما ترکناه صدقة) ترجمہ یعنی ہم گروہ انبیاءؑ نہ تو کسی کا وارث ہیں اور نہ کوئی وارث ہمارا ترکہ لے سکتا ہے، ہم جو چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔)

ثبوتِ دعویٰ...... جناب فاطمہؑ نے اپنے دعویٰ ہبہ کے ثبوت میں حضرت امام علیؑ اُمّ ایمن حضرت اُمّ کلثوم، جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ کو پیش کیا، جنھوں نے بیان دیا کہ واقعی ہمارے روبرو جناب رسول اللہؐ نے ان ارضیات کو بحق فاطمہؑ ہبہ کر کے قبضہ ان کو دے دیا تھا۔

(کتاب صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب الاوّل فصل الخامس، ص۲۲، وفاء الوفا سیّد نور الدین سمہودی الجزء الثانی باب السادس فصل الثانی ص۱۵۷، شرح کتاب الاکتفا الابراہیم بن عبداللہ الوصافی)

قبضۂ فدک

جناب فاطمہؑ نے دعویٰ کیا تھا کہ آنحضرتؐ نے فدک مجھے ہبہ کر کے دے دیا ہے۔ یہ تو وہ بھی جانتی تھیں کہ بغیر قبضے کے ہبہ نامکمل ہوتا ہے۔ اگر ان کو قبضہ مل کر ہبہ مکمل نہ ہوگیا ہوتا تو وہ ایسا خلاف واقعہ امر نہ بیان فرماتیں جو سب کے علم میں اس وقت غلط ہوتا۔ علاوہ اس کے اگر حضرت فاطمہؑ کا قبضہ نہ ہوتا تو حضرت ابوبکر کو شہادت طلب کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ فوراً فرما دیتے۔ ہبہ نامکمل تھا کیونکہ تمہارا قبضہ نہیں ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر کے عذرات میں عدم قبضہ کا عذر نہ ہوتا۔ صاف دلیل ہے اس بات کی کہ جناب فاطمہؑ کا قبضہ تھا۔ بہت سی روایات میں ہے کہ ان ابا بکر احتزع من فاطمہؑ

فدک یعنی ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ سے فدک کا قبضہ چھین لیا۔
(وفا الوفا باخبار دار المصطفیؐ، الجز الثانی، باب السادس، ص ۱۶۱)

حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام نے اپنے عامل کو لکھا

بلی کانت فی ایدینا فدک من کل ما اظلته السمآء فشحت

علیها نفوس قوم و سخت عنها نفوس اٰخرین نعم الحکم اللّٰہ

(نہج البلاغہ، مطبوعہ مصر، الجز الثانی، ص ۹۳)

ترجمہ: ہاں فدک ہمارے قبضۂ خاص میں تھا سوائے آسمان کے نیچے جو بھی ہے اس کا فدک سے کچھ تعلق نہ تھا پس قوم کے چند لوگوں نے اس کی بابت بخل کیا اور بہتوں کے دل میں آگ لگی اور ہم سے چھین لیا، مگر سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا خدا ہے۔

قبضہ کا تنازع حضرت عمر کے اس قول سے طے ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

ثم توفی اللّٰہ نبیہؐ فقال ابو بکر انا ولی رسول اللّٰہ فقبها ابو بکر.

ترجمہ: خداوند تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اپنے جوار رحمت میں بلا لیا، پس ابو بکر نے کہا کہ میں رسول اللہؐ کا ولی ہوں، اس بنا پر فدک کو انھوں نے اپنے قبضے میں لے لیا۔
(صحیح بخاری، باب الخمس، و باب الخاز، قولِ عمر، حصہ دوم، ص ۲۵۸)

حصولِ ملکیتِ فدک

خداوند تعالیٰ نے یہ اصول مقرر فرمایا کہ ملک یا جاگیر یا مال غنیمت جو مسلمانوں کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل ہو، اس میں مسلمانوں کا حصہ ہے، لیکن جو زمین یا جائیداد جناب رسول خداؐ کو بغیر مسلمانوں کی امداد کے حاصل ہو جائے وہ محض جناب رسول خداؐ کی ملکیت ہوگی۔ اس میں مسلمانوں کا حصہ نہیں ہے۔ یہ فائدہ ان الفاظ میں مقرر کیا گیا ہے:

اما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ منھم فما او جفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللّٰہ بسلط رسلہ علی من یشآء واللّٰہ علیٰ کل شیء قدیر

ترجمہ: اور جو مال حق تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو لڑائی کے بغیر عنایت کیا ہے، اس پر نہ تم نے گھوڑے دوڑائے ہیں اور نہ اونٹ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس جس پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

اب دیکھیں فدک کس طرح حاصل ہوا تھا، خیبر سے واپسی کے وقت جناب رسولؐ خدا نے محیصہ بن مسعود انصاری کو اہل فدک کے پاس دعوت اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ پس ان لوگوں نے جناب رسولؐ خدا کو نصف الارض فدک دے کر مصالحت کر لی اور آنحضرتؐ نے اس کو منظور کر لیا۔ پس یہ نصف فدک خاص جناب رسولؐ خدا کی ملکیت تھا، کیونکہ اس کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اونٹ گھوڑے نہیں دوڑائے تھے۔ (یہ فتوح البلدان کی عبارت کا ترجمہ ہے۔)

(ابوالحسن البلاذری، فتوح البلدان، ص۴۲، ۴۳، حسین دیار بکری، تاریخ الخمیس، الجز الثانی، ص۶۴، ابن الاثیر تاریخ الکامل، الجزء الثانی ص۸۵، تاریخ طبری، الجز الثالث، ص۹۵، ۹۸، سہیل روض الانف، الجز الثانی، ص۲۴۷، الفاروق، حصہ دوم، ص۲۵۶، ۲۵۷، ابن ہشام سیرت النبی، الجز الثالث، ص۴۸)

خود حضرت عمر اس کو جناب رسول خداؐ کی ملکیت بلاشرکت غیرے سمجھتے تھے، چنانچہ مولوی شبلی نعمانی تک نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ ہم الفاروق سے مولوی شبلی نعمانی کی عبارت نقل کرتے ہیں۔ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے، اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرتؐ کی خاص جائیداد ہونا ثابت ہے اور خود حضرت عمر اس کے یہی معنی قرار دیتے تھے۔ آیت یہ ہے:

وما افاء اللّٰہ علی رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا

رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علی من یشآء

چنانچہ حضرت عمر نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ فکانت خالصۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری، باب الخمیس اور باب المغازی اور باب المیراث میں بہ تفصیل مذکور ہے۔

(الفاروق، مطبوعہ مفید عام آگرہ، حصہ دوم، ص ۲۵۶، ۲۵۷)

حضرت ابوبکر بھی ان اراضیات کو خاص جائیداد جناب رسول خداؐ کی سمجھتے تھے، جب ہی تو لانرث ولانورث کی لاوارث حدیث پیش کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

تنقیحات فیصلہ طلب

ایسے مقدمات میں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ متنازع امور کیا ہیں اور ان کے ثابت کرنے کا بار کس کے اوپر ہوتا ہے اور کس کو اپنا ثبوت پیش کرنا چاہیے۔ بارِ ثبوت کسی امرِ متنازع کا اُس کے اوپر ہوتا ہے، جس کا دعویٰ یا عذر ثبوت چاہتا ہے یعنی اگر کوئی ثبوت پیش نہ ہو تو اس کا دعویٰ یا عذر باطل سمجھا جائے گا۔ اس تنازع میں قرآن کریم کے احکامات جناب فاطمہ علیہا السلام کے حق میں تھے اور اسے قانون وراثت میں کوئی استثناء جائیداد رسولؐ کے متعلق نہیں ہے۔ لہٰذا وراثت کے مقدمے میں تو مندرجہ ذیل امور تنقیح طلب پیدا ہوتے ہیں اور وہ سب بذمّہ مدعا علیہ ہیں۔

۱) کیا حضرت فاطمہؑ کو ان کے والد بزرگوار کا ورثہ نہیں پہنچتا تھا اور شرعی و قرآنی قانون وراثت ان پر حاوی نہ تھا ثبوت بذمّہ مدعا علیہ حضرت ابوبکر۔

۲) اگر جناب فاطمہؑ کے لیے قرآن کریم کا وراثت کا قانون منسوخ ہو گیا تھا تو کیوں منسوخ ہوا اور کس نے منسوخ کیا۔ ثبوت بذمّہ علیہ حضرت ابوبکر۔

۳) کیا مفروضہ روایت لانرث ولانورث واقعی کلام رسولؐ تھا۔ ثبوت بذمّہ مدعا علیہ حضرت ابوبکر۔

۴) کیا جناب رسولؐ خدا نے اس اہم تنسیخ آیات قرآنی کا اعلان کیا، کب کیا، کس طرح اور کس موقع پر کیا۔ ثبوت بذمّہ مدعا علیہ حضرت ابوبکر۔

۵) کیا یہ روایت قرآن کریم کے قانون کو منسوخ کر سکتی تھی۔ ثبوت بذمّہ مدعا علیہ حضرت ابوبکر۔

۶) ہبہ کے مقدمہ میں بھی تنقیح کا بار ثبوت بذمّہ مدعا علیہ ہوتا۔ اگر مدعا علیہ کو اپنی حکومت کے قبضے کا دعویٰ کرنا پڑتا اور تنقیح یہ ہوتی۔

۷) کیا حضرت فاطمہؑ کا قبضہ (نعوذ باللہ) ناجائز ہے اور جناب رسول خداؐ نے ان کو فدک ہبہ کر کے نہیں دیا، لیکن اب چونکہ حضرت فاطمہؑ کو دعویٰ کرنا پڑا اور قبضہ حاصل کرنا پڑا تو تنقیح فیصلہ طلب پر ہوئی۔

۸) جناب رسول خداؐ نے یہ جائیداد بحقِ مدعیہ (دختر خود) ہبہ کر دی تھی۔ بار ثبوت بذمّہ مدعا علیہ۔ عام مقدمات میں تو اب بھی بارِ ثبوت بذمّہ حکومت ہی ہونا چاہیے کیونکہ محض مقدمے کی خاطر ناجائز طور سے مدعیہ کو بے دخل کر کے اسے دعویٰ کرنے پر مجبور کرنے سے بار ثبوت نہیں بدلتا۔

اس سارے قضیہ میں حضرت فاطمہؑ کو زیادہ سے زیادہ محض ہبہ کا ثبوت دینا تھا،

اس سارے قضیے میں حضرت فاطمہؑ کو زیادہ سے زیادہ محض ہبہ کا ثبوت دینا تھا، باقی سب تنقیحات بذمّہ حضرت ابوبکر تھیں۔ وہ نہیں بتا سکے کہ قانون وراثت کیوں کر منسوخ ہوا۔ لاوارث حدیث کو کیوں مجمع عام مسجد میں پیش کیا، سارے قرائن اس حدیث کی

صحت کے خلاف ہیں، جیسا کہ ہم ابھی بیان کرتے ہیں۔

ثبوتِ ہبہ

حضرت علیؑ وحسنینؑ وحضرت فاطمہؑ کے بیانات سے زیادہ وقعت دار اور کیا ثبوت ہوسکتا تھا کہ جس سے یہ ثابت ہوتا۔

اسرار ابویعلی ابن ابی حاتم وابن مردویہ ابوسعید الخدری سے روایت کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی وَاٰتِ ذالقربیٰ حقّہ تو جناب رسول خداؐ نے فاطمہؑ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کردیا اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسول خداؐ نے فدک جناب فاطمہؑ کو ہبہ کردیا بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جناب رسول خداؐ نے ایک وثیقہ ہبہ کا جناب فاطمہؑ وحسنینؑ کے حق میں لکھ دیا اور یہ وہی وثیقہ تھا جو حضرت معصومہؑ دربار خلافت میں لائیں اور پیش کیا۔

(جلال الدین سیوطی، کتاب درالمنثور، الجزء الرابع ص ۱۷۷، تاریخ حبیب السیر جلد اوّل جزو سوم ص ۸۵، ملا معین کاشفی معارج النبوہ رکن چہارم باب دہم وبیان وقائع سال ہفتم از ہجرت واقعہ سیزدہم)

حضرت فاطمہ علیہا السلام کی بحث

جب دورانِ مقدمہ حضرت فاطمہؑ نے جناب ابوبکر کے عذرات سنے، کیونکہ وہ خود ہی مدعا علیہ تھے، مدعا علیہ کی طرح عذرات پیش کرتے جاتے تھے اور خود ہی فیصلہ کرنے والے تھے تو جناب فاطمہؑ نے سوال کیا کہ جب تم اس دنیا سے عالمِ باقی میں جاؤ گے تو تمہاری جائیداد کون لے گا۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ میری اولاد۔ اس پر آپؑ نے فرمایا کہ وائے ہو تم پر تمہارا ورثہ تو تمہاری اولاد لے اور میں اپنے باپ کا ورثہ نہ لوں۔ یہ لا وارث حدیث محض تمہاری بناوٹ ہے۔ اگر یہ جناب رسول خداؐ کا کلام ہوتا

تو سب سے پہلے آنحضرتؐ اس کا ذکر ہم سے کرتے۔ قرآن کریم میں ہے کہ وورث سلیمانؑ داوٗدؑ۔ اور حضرت زکریاؑ کی دعا قرآن کریم میں اس طرح ہے:

و انی خفت الموالی من ورآئی و کانت امراتی عاقرا فھب لی من لدنک ولیا یرثنی و یرث من اٰل یعقوب.

ترجمہ: اور یقیناً مجھے اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے اور میری زوجہ بانجھ ہے پس مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا کر، کہ وہ میرا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کا بھی۔

تشریح: اور یہ علیؑ وحسنینؑ و نبیؐ ہیں، جن کو روزِ مباہلہ رسالتِ محمدیہؐ اور خلقت عیسیٰؑ کی شہادت کے لیے خداوند تعالیٰ کے حکم سے پیش کیا گیا تھا، آج ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔

(طبقاتِ ابنِ سعد جلد ۲ ق ۲ ص ۸۶، تاریخ طبری الجزء الثالث ص ۲۰۲)

حضرت ابوبکر کا فیصلہ

حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کی بحث کو صحیح تسلیم کر کے جناب فاطمہؑ کے حق میں فدک وغیرہ صحیح تسلیم کیا اور نوٹ لگا دیا۔ جب جناب فاطمہؑ وثیقہ لے کر چلنے لگی تھیں کہ حضرت عمر آئے اور حضرت فاطمہؑ سے وہ وثیقہ لے کر چاک کر ڈالا اور حضرت ابوبکر سے کہا کہ جناب فاطمہؑ کا مقدمہ خارج کر دو۔

(علی بن برہان الدین انسان العیون فی سیرت الامین المامون الجزء الثالث ص ۴۰۰ مطبوعہ مصر، سیرۃ حلبیہ وغیرہ میں بھی ہے۔ جلد ۶، ص ۵۱۳)

چنانچہ حضرت ابوبکر کو کہہ کر مقدمہ خارج کر دیا کہ نصاب پورا نہیں اور حدیث لانورث مانع حصول ورثہ ہے۔

اس فیصلے کی حمایت

اس فیصلے کی حمایت اس طرح کی جاتی ہے کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہو۔ شوہر کی گواہی اپنی زوجہ کے حق میں اور اولاد کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں ہے بلکہ یہ باطل ہے۔ رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ ہم انبیاءؑ نہ تو ورثہ لیں اور نہ ہم سے کوئی ورثہ لے۔ ہم جو چھوڑتے ہیں وہ امّت کے لیے ہوتا ہے، ہبہ ثابت نہیں ورثہ ملتا نہیں۔ لہٰذا دعویٰ درست طور پر خارج ہوا۔

(ابن حجر مکی صواعق محرقہ باب اوّل فصل الخامس ص ۲۳ نورالدین سمہودی وفاء الوفا الجزء الثانی باب الثانی فصل السادس ص ۱۵۷)

حضرت ابوبکر کا قضایا (فیصلہ کرنے) کا معمولی طریقہ

اس سلسلے میں یہ معلوم کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر عام طور سے ایسے تنازعات کا کس طرح فیصلہ کیا کرتے تھے۔

(تاریخ طبری الجزء الرابع ص ۵۰)

حضرت ابوبکر کے زمانے میں مدینے میں چند اصحاب مقرر تھے، جو مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے، ان کے علاوہ حضرت ابوبکر بھی مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے تھے لیکن وہ اس طرح کہ مسجد میں بیٹھ گئے، اکابر صحابہ کو بلا لیا اور ان کے مشورے سے مقدمات کے فیصلے کر دیے۔

(طبقات ابن سعد جلد ۲ ق ۲ ص ۱۰۹)

صحابہ کا دعویٰ اور حضرت ابوبکر کا فیصلہ

حضرت ابوبکر نے عام منادی کرادی کہ جس جس سے جناب رسول خداؐ نے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے وہ میرے پاس آ کر لے لے۔ جابرؓ کہتے ہیں کہ میں حضرت ابوبکر

کے پاس گیا اور ان سے کہا کہ جناب رسول خداؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر بحرین کا مال آیا تو ہم تم کو اتنا اتنا اور اتنا دیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکر نے مجھ سے کہا کہ اس مال میں سے ایک لپ بھرلو۔ میں نے ایک لپ بھرلی تو حضرت ابوبکر نے کہا کہ اس کو شمار کرو۔ میں نے شمار کیا تو وہ پانچ صد تھے۔ پس حضرت ابوبکر نے مجھ کو پندرہ صد عنایت کیے۔

(صحیح بخاری میں کتاب الخمس باب ما اقطع النبی من البحرین اور عد من مال البحرین الجزء الثانی ص ۱۳۶؛ طبقات ابن سعد، جلد ۲، ص ۷۷)

زنباع والد رباح نے اپنے غلام کی ناک کاٹ ڈالی۔ جناب رسول خداؐ کے وصال کے بعد وہ غلام حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور دعویٰ کیا کہ جناب رسول خداؐ نے میری کٹی ہوئی ناک دیکھ کر اور میرے حال کو سن کر فرمایا تھا کہ جا تُو آزاد ہے۔ میں نے پوچھا کہ میں اپنے تئیں کس کا آزاد کردہ غلام ہوں تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ خدا اور رسول کا۔ حضرت ابوبکر نے اس سے کچھ گواہ، شاہد نہیں مانگے اور محض اس کے بیان کو سچا تسلیم کر کے اس کا اور اس کے اہل وعیال کا نان ونفقہ مقرر کر دیا۔ جب حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا تو وہی غلام حضرت عمر کے پاس آیا اور یہی دعویٰ پیش کیا انھوں نے فوراً پوچھا کہ تُو کہاں کی جاگیر چاہتا ہے؟ اس نے کہا کہ مصر کی جاگیر چاہتا ہوں۔ حضرت عمر نے فوراً عاملِ مصر کو لکھا کہ اس کو مصر میں جاگیر دے دے۔ چنانچہ اس کو مصر کی جاگیر مل گئی۔ نہ کسی نے گواہ مانگا نہ شاہد طلب کیا۔ زنباع نے اس کی ناک اس وجہ سے کاٹی تھی کہ وہ اس کی لونڈی سے زنا کرتا ہوا پایا گیا تھا۔

(مسند امام احمد حنبل الجزء الثانی ص ۸۲، الجزء اوّل ص ۳۳، الجزء الثالث، ص ۲۸۵، ۲۵۲، ۲۵۱، الجزء رابع ص ۵، ۱۰۷، الجزء السادس، ص ۲۹۲، ۲۹۸، ۳۰۴ موطاء امام مالک وغیرہ)

نہ تو جابر بن عبد اللہؓ سے اور نہ اس زانی غلام سے گواہ وثبوت مانگا گیا۔ وہ ایسے

سچے سمجھے گئے کہ محض ان کا بیان ہی ان کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے کافی ہوا، لیکن حضرت فاطمہؑ کے بیان کو سچا نہ مانا گیا اور گواہ طلب ہوئے اور فیصلہ کیا گیا کہ وہ گواہ یعنی حضرت علیؑ وحسنینؑ (معاذ اللہ) قابل اعتبار نہیں۔ رشتے داری و جلب منفعت کی وجہ سے حق نہیں بول رہے ہیں۔

(الاستیعاب ابن عبد البر الجزء الثانی، مسند ابوداؤد طیالسی الجزء الثامن ص ۲۷۴، حدیث ۲۵۵،
اشعۃ اللمعات شیخ عبد الحق محدث دہلوی جلد ۹، ص ۳۷۸، ۳۷۹)

حکومت کا سلوک دیگر موہوب الیہم کے ساتھ

یہودانِ بنی نضیر کی بھی اراضیات ایسی ہی تھیں کہ جن کو عام مسلمانوں کے لیے بذریعہ فوج کشی فتح نہیں کیا تھا بلکہ بذریعہ صلح انھوں نے یہ اراضیات جناب رسول اللہؐ کے حوالے کی تھیں۔ ان اراضیات میں سے جناب رسول اللہؐ نے اسی طرح اراضیات حضرت ابوبکر و عبدالرحمٰن بن عوف و ابودجانہ سماک بن خرشہ الساعدی اور دیگر صحابہ کے حق میں ہبہ کی تھیں۔

(فتوح البلدان بلاذری، ص ۲۱، ۳۴)

حکومت کو چاہیے تھا کہ فدک کی طرح ان پر بھی قبضہ کر لیا جاتا اور جب یہ لوگ دعویٰ کرتے تو پھر ان سے بھی گواہ و شاہد طلب کیے جاتے۔ اگر علیؑ وحسنین علیہم السلام سے بہتر گواہ لاتے تو ان کی اراضیات واپس کر دیتے، ورنہ وہ بھی فدک کی طرح اپنے قبضے میں کر لیتے اور ان کا دعویٰ خارج کرتے۔

مقدمۂ فدک میں قرآن واحادیثِ رسولؐ کی توہین

یہ متفقہ امّت اسلامیہ ہے کہ آیت تطہیر میں حضرت علیؑ، حضرت فاطمہؑ اور جناب

حسنینؑ شامل ہیں لیکن فدک کے قضیے کا فیصلہ اس نتیجے پر مبنی ہے کہ خداوند تعالیٰ میں (نعوذ باللہ) ان بزرگواروں کو مطہّر کرنے کی قدرت نہ تھی اور وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہ ہوا۔ ان میں سے ایک نے (معاذ اللہ) جھوٹا دعویٰ کیا، باقیوں نے (معاذ اللہ) جھوٹی گواہی دی۔ جناب رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا شہر کا دروازہ ہے۔ جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ اس دروازے پر حاضر ہو۔

(مستدرک الجزالثالث ص ۱۲۶، ۱۲۷، الاستیعاب الجزالثانی فی ترجمہ علی، ص ۴۷۴، ۴۷۵، ریاض النضرہ الجزالثالث باب الرابع فصل السادس، ص ۱۹۳، حیوۃ الحیوان الجزالاوّل، ص ۵۵، اشعۃ اللمعات شیخ عبدالحق جلد چہارم، ص ۳۶۹، البدایہ والنہایہ فی التاریخ الجزالسابع، ص ۳۵۸، ۳۵۹ وغیرہ)

اس مقدمۂ فدک کے فیصلے سے ظاہر ہوا کے (معاذ اللہ) حضرت علیؑ میں فقہ کا اتنا علم بھی نہ تھا کہ نصاب شہادت معلوم ہوتا اور یہ معلوم ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ورثہ میں تقسیم نہیں ہوتا۔ ان بزرگواروں کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ شوہر کی گواہی زوجہ کے حق میں اور اولاد کی گواہی والدین کے حق میں بروئے فقہ اسلامی قابل قبول نہیں اور جناب رسول اللہؐ نے (معاذ اللہ) لاوارث حدیث اپنے ورثہ کو نہ بتائی یا ان ورثا یعنی حضرت فاطمہؑ و علیؑ و حسنینؑ نے (معاذ اللہ) عمداً اسے چھپایا۔ صورت اولیٰ میں جناب رسول اللہؐ کی توہین ہوتی ہے اور صورت دوم میں آیۂ تطہیر پر حرف آتا ہے۔

جناب فاطمہؑ کا خطبہ

جس جرأت اور دلیری کے ساتھ حضرت فاطمہؑ نے اپنے اس فعل سے حق کی تبلیغ اور باطل کی تشریح و تکذیب کی ہے، اس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں ملتی۔ حضرت ابوبکر کا یہ فیصلہ سننے کے بعد حضرت فاطمہؑ نے مہاجرین و انصار میں ایک نہایت فصیح و بلیغ خطبہ

ارشاد فرمایا۔ اس خطبے نے معاندین کے سینوں میں ایسی ہی کاری ضرب لگائی جیسی کہ ذوالفقار میدانِ جنگ میں کفار کے سینوں میں لگاتی تھی۔ اس خطبے کے متعلق کشف الغمہ میں درج ہے کہ یہ خطبہ بہترین اور عجیب خطبوں میں سے ہے جس میں نورِ نبوّت کا غازہ اور شبنمِ رسالت کی خوشبو ہے۔ اس خطبے کو موافق و مخالف سب نے اپنی اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے اور صاحبِ کشف الغمہ نے اسے ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری کی کتاب سقیفہ کے اس قدیم نسخے سے نقل کیا ہے جو اس نے مؤلف کی خدمت میں ماہِ ربیع الاوّل ۳۲۲ھ میں پڑھ کر بغرض تصحیح سنایا تھا اور خطبے کو جوہری نے اپنے رجال کے مختلف طریقوں سے ثابت کیا ہے۔

اس خطبے کو جناب سیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب شافی میں درج کیا ہے۔ یہ کتاب شافی قاضی القضاۃ عبدالجبار معتزلی کی کتاب المغنی فی الامامت کی رد میں لکھی گئی تھی۔ جناب علم الہدیٰ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا ابوعبیدہ محمد بن عمران المرزبانی نے اور اس سے بیان کیا محمد بن احمد الکاتب نے اور اس سے بیان کیا احمد بن عبید ابن ناصح القوی نے اور اس سے بیان کیا الزیادی نے اور اس سے بیان کیا شرفی بن القصاس نے اور اس سے بیان کیا محمد بن اسحاق نے اور اس سے بیان کیا صالح بن کیستان نے اور اس سے بیان کیا عروہ نے اور اس سے بیان کیا حضرت عائشہ نے اور دوسرا سلسلۂ رواۃ ہم سے مرزبانی نے یہ بیان کیا کہ بیان کیا اس سے ابوبکر احمد بن محمد المکلی نے اور اس سے بیان کیا حضرت عائشہ نے کہ جب جناب رسول اللہؐ کا وصال ہوا تو حضرت فاطمہؑ اپنی کنیزوں کے گروہ میں حضرت ابوبکر کے پاس آئیں اور پہلی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہؑ نے سنا کہ حضرت ابوبکر نے ان کو فدک نہ

دینے کا فیصلہ کرلیا ہے تو آپ نے اپنے سر پر مقنع ڈالا اور پھر سر سے پاؤں تک چادر اوڑھی اور اپنی کنیزوں کے گروہ میں حضرت ابوبکر کے پاس آئیں اور پھر یہاں دونوں روایتیں آپس میں متحد ہوگئیں۔

اب حضرت فاطمہؑ نے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ تمام وکمال نقل کرنے کے بعد سیّد مرتضیٰ علم الہدیٰ کہتے ہیں اور ہم سے بیان کیا ابوعبداللہ المرزبانی نے اس سے بیان کیا اس کے باپ نے ابوطاہر نے بیان کیا کہ میں نے ابوالحسنؑ زید بن علی بن الحسینؑ بن علیؑ بن ابی طالبؑ کے سامنے جناب فاطمہؑ کا کلام (خطبہ) پیش کیا جو ابوبکر کے فدک نہ دینے کے وقت حضرت فاطمہؑ نے بیان فرمایا تھا اور میں نے زید بن علی سے بیان کیا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بنائی ہوئی بات ہے اور یہ کہ وہ خطبہ ابوالعینا کا کلام ہے کیونکہ وہ زیادہ بلیغ ہے تو زید بن علی نے جواب دیا کہ میں نے آلِ ابی طالبؑ کے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے باپ دادا سے اس خطبے کی روایت کرتے ہیں اور اپنی اولاد کو اس کی تعلیم دیتے ہیں اور خود میرے پدر بزرگوار نے دادا سے اس روایتِ خطبہ کو جناب فاطمہؑ تک پہنچایا اور مشائخ شیعہ نے ابوالعینا کے دادا کی پیدائش سے پہلے اس خطبے کی روایت کی ہے اور باہم ایک دوسرے کو اس کا درس دیا ہے۔ حسین بن علوان نے عطیہ عوفی سے روایت کی ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن حسین بن حسن کو اپنے باپ سے اس خطبے کو روایت کرتے سنا ہے پھر ابوالحسین زید کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس خطبے کو کلام سیّدہؑ ہونے سے کیوں انکار کرتے ہیں حالاں کہ وہ لوگ ابوبکر کے مرنے کے وقت عائشہ کا وہ کلام نقل کرتے ہیں جو حضرت فاطمہؑ کے اس کلام سے بھی عجیب تر ہے اور اس کا ذکر بعنوان تحقیق کرتے ہیں۔ جناب معصومہؑ کے اس خطبے کے متعلق قوم کی یہ روش

صرف ہم اہلبیتؑ کی عداوت کی بنا پر ہے۔

پھر سیّد مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ یہ خطبہ اسی عنوان سے مختلف طریقوں اور کثیر جہتوں سے ذکر کیا گیا ہے جو شخص تمام طریقوں کو معلوم کرنا چاہے، وہ ان کے مقامات سے حاصل کرے۔

کتاب بلاغات النساء کے مصنف ابوالفضل احمد بن ابی طاہر جو بغداد میں ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۰ھ میں انتقال کر گئے۔ کتابِ مذکور میں لکھتے ہیں کہ مجھ سے دیارِ مصر کے رہنے والوں میں سے ایک شخص جعفر ابنِ محمد نے جن کی مجھ سے زافقہ میں ملاقات ہوئی، بیان کیا کہ اُس سے اُس کے والد نے اور اس سے موسیٰ بن عیسیٰ نے اور اس سے عبداللہ بن یونس نے اور اُس سے جعفر بن احمد نے اور اس سے زید ابنِ علی نے اور ان سے ان کی پھوپھی زینب بنت الحسین نے بیان کیا۔ زینب بنت الحسین فرماتی ہیں کہ جب جناب سیّدہ کو ابوبکر کے فدک نہ دینے کا حتمی ارادہ معلوم ہوا تو آپ نے مقنع اوڑھا اور اپنی قرابت کی عورتوں کے گروہ میں گھر سے برآمد ہوئیں۔ آخر روایت تک اور صاحبِ بلاغات النساء نے اس روایت کے شروع کرنے سے قبل یہ عبارت لکھی ہے۔ کلام فاطمہ بنت رسول اللہؐ۔ ابوالفضل مصنف کتاب کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسین زید بن علی ابن الحسین ابن ابی طالب کے سامنے جناب سیّدہؑ کا وہ کلام جو ان معظّمہ نے ابوبکر کے فدک نہ دینے کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا، ذکر کیا اور ان سے عرض کی کہ یہ قوم گمان کرتی ہے کہ آخر روایت تک اس کے بعد وہ عبارت مذکور ہے جو مرزبانی سے سیّد مرتضیٰ نے روایت کی ہے، پھر وہ حدیث ذکر کی ہے اور کہا کہ جب ابوبکر نے جناب فاطمہؑ بنتِ رسولؐ کو فدک نہ دینے کا حتمی ارادہ کر لیا تو ان معظّمہ نے ایک چادر

اوڑھی اور کنیزوں کے گروہ میں آئیں، پھر صاحب بلاغت النساء کہتے ہیں کہ ایک قوم نے یہ ذکر کیا ہے کہ ابوالعیناء نے ارادہ کیا ہے کہ یہ میرا کلام ہے اور ایک قوم نے اس کے اس دعوے کو نقل کیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس کلام کے اوپر ابوالعیناء کے متعلق تصنیف کا دعویٰ کرنے کا سبب وہی ہے، جو "نہج البلاغۃ" کو جناب شریف رضی کی تصنیف کہنے کا ہے اور یہ دونوں دعوے باطل ہیں۔ ان کی جانب التفات نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ ثقہ لوگوں نے صحیح طریقوں سے اس خطبے کی روایت کی ہے۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے، معلوم ہوتا ہے کہ بلاغاتِ النساء مطبوعہ نسخہ میں کچھ عبارت اس مقام پر طبع ہونے سے رہ گئی ہے، کیونکہ بلاغات النساء کے مؤلف کہتے ہیں کہ میں نے ابوالحسن ابن علی سے ذکر کیا لیکن یہ بالکل عیاں ہے کہ زید بن علی الحسین ان سے بہت قبل گزر چکے تھے اور انھوں نے زید کا زمانہ نہیں پایا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلفِ مذکور نے بھی یہاں وہی سند کی ہو جو سیّد مرتضیٰ نے لکھی ہے اور وہ شخص جنھوں نے زید ابنِ علی ابنِ حسین سے یہ ذکر کیا وہ عبداللہ بن ابی طاہر ہے، طبع ہونے میں عبارت ساقط ہوگئی۔

جن لوگوں نے اس خطبے کا ذکر کیا ہے، ان میں علامہ طبری بھی ہیں۔ انھوں نے کتاب الاحتجاج میں اس خطبے کو کلامِ فاطمہؑ کہہ کر نقل کیا اور وہ فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن حسین نے اپنی مسند میں اپنے آبائے طاہرین علیہم السلام سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابوبکر نے جناب فاطمہؑ کو فدک سے محروم کرنے کا حتمی ارادہ کرلیا تو ان معظمہؑ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ نے اپنا دوپٹا اور چادر اوڑھی اور اپنی کنیزوں اور اپنی قوم کی عورتوں کے گروہ کے ساتھ مسجد کا رخ کیا۔ شرم کے سبب چادر کے کنارے زمین پر کھنچتے جاتے تھے اور جناب کی رفتار اور رسول خداؐ کی رفتار میں کچھ فرق نہ تھا۔ مسجد میں اس وقت

پہنچیں کہ جب حضرت ابوبکر کے ماننے والے مہاجرین وانصار وغیرہ ان کے گرد جمع تھے۔ حضرت فاطمہؑ کے ساتھ ایک چادر کھینچ دی گئی، آپ بیٹھیں اور آپ نے اس درد و غم آمیز لہجہ میں کراہا کہ قریب تھا کہ سب لوگ گریہ و بکا سے جان کھودیں۔ مسجد میں ایک اضطراب پیدا ہو گیا۔ آپ نے تھوڑی سی مہلت ان لوگوں کو دی کہ ان کا اضطراب رکا اور اڈتے ہوئے دل ٹھہرے۔ پھر آپ نے حمد و ثنائے خدا اور صلواۃِ رسولؐ کے ساتھ اپنے کلام کو دہرایا اور یہ کلام کیا جو درج ذیل ہے:

''حقیقی حمد مخصوص ہے خدا کے لیے، اس نے نعمتیں عطا فرمائیں اور اس کے لیے شکر ہے کہ اس نے نفس کو نیک و بد کی تمیز بخشی۔ اسی کے لیے ثنا ہے کہ اس نے اپنی نعمتیں عام کیں، بغیر استحقاق کے اور بندوں کو اپنی کامل نعمتوں سے بہرہ اندوز فرمایا اور پورا پورا انعام لگاتار وارد فرمایا۔ اتنی نعمتیں جن کا شمار ناممکن ہے۔ ایسی نعمتیں جن کی مدتِ اوقات شکر سے بڑھتی ہی رہتی ہے۔ وَ مَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيناً فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَتِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ. ترجمہ: اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین پر چلے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں ہوگا۔ پھر تُو نے اتنی بھی تاخیر نہیں کی کہ فتنے کی نفرت ذرا کم ہو جاتی اور اس پر قابو پانا ذرا آسان ہو جاتا بلکہ تم نے پھر آگ کو زیادہ بھڑکانا شروع کر دیا اور ان کی چنگاریاں تیز کرنے لگے۔ شیطانِ گمراہ کی آواز پر لبیک کہنے، دینِ روشن کے نور بجھانے اور پیغمبرؐ کی برگزیدہ سنّتوں کو محو کرنے پر تیار ہو گئے، بظاہر تم نے اسلام اختیار کر رکھا ہے اور دراصل باطن میں نفاق ہے۔ رسولِ خداؐ کے اہلبیتؑ اور اولاد کے خلاف گنجان درختوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر چال چلنے لگے اور ہم لوگ تمہارے افعال پر یوں صبر کرنے لگے جیسے کوئی چھری

کی کاٹ اور نیزے کے سینے میں پیوست ہونے پر صبر کرتا ہے اور اب تم یہ گمان کرنے لگے ہو مجھ کو اپنے پدر بزرگوارؐ کے ترکے میں کوئی حقِ وراثت نہیں ہے۔ کیا تم جاہلیت کے احکام پسند کرتے ہو۔ خدا سے بہتر حکم کرنے والا یقین رکھنے والی قوم کے لیے اور کون ہے۔ کیا تم نہیں جانتے۔ بیشک تم جانتے ہو اور تمہارے لیے یہ امر آفتابِ نصف النہار کی طرح واضح ہے کہ میں پیغمبر اکرمؐ کی بیٹی ہوں۔ کیوں مسلمانو کیا تم اس پر راضی ہو کہ میری میراث مجھ سے چھین لی جائے اور اے ابوقحافہ کے بیٹے یہ کتاب اللہ میں ہے کہ تُو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں اپنے باپ کی میراث نہ پاؤں۔ تُو نے یہ کیا بری بات پیش کی ہے۔ تم لوگوں نے دیدہ و دانستہ کتاب خدا کو چھوڑ رکھا ہے اور اس کو پس پشت ڈال دیا ہے حالانکہ اس میں ذکر ہے کہ جناب سلیمانؑ اپنے باپ داؤدؑ کے وارث ہوئے اور جناب یحییٰؑ کے قصے میں حضرت زکریاؑ کی یہ ندا مذکور ہے کہ خداوندا مجھے اپنے پاس سے ایسا وارث عطا فرما جو میری میراث پائے اور آلِ یعقوبؑ کا وارث بھی بنے، پھر اسی کتاب میں خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا رب تمہاری اولاد کے بارے میں تم کو وصیت کرتا ہے کہ میراث کی تقسیم میں ایک مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ دو۔ پھر ارشاد ہے کہ اگر کوئی مرتے وقت مال چھوڑے تو وہ والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے نیکی یعنی میراث کی وصیت کر جائے۔ خدا تو یہ فرماتا ہے اور تم نے گمان کر رکھا ہے کہ میرا کوئی حق ہی نہیں ہے۔ میں اپنے باپ کی وارث ہی نہیں بن سکتی اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی رحمی قرابت ہی نہیں ہے کہ خداوند عالم نے معاملۂ میراث میں تم کو کس آیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے، جس سے میرے پدرِ بزرگوار کو مستثنیٰ کر دیا ہے یا تم کہتے ہو کہ دو ملت والے آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوتے، تو کیا میں اور میرے والد

بزرگوار ایک ملت پر نہیں ہیں۔ شاید تم میرے پدر بزرگوار اور میرے ابن عم علیؑ کی نسبت خصوص و عموم قرآن کو بہتر سمجھتے ہو۔ اچھا آج فدک کو اس طرح قبضے میں کرلو جس طرح مہار و پالان بستہ ناقہ قبضے میں کیا جاتا ہے (اس کے نتائج سے) تُو قیامت کے دن اے ابوبکر ملاقی ہوگا اور خداوند تعالیٰ بہت اچھا حکم کرنے والا ہوگا اور آنحضرت محمد مصطفیؐ ہمارے ضامن و کفیل ہوں گے۔ پس اے ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے اور قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے اور اس وقت ندامت تم لوگوں کو فائدہ نہ پہنچائے گی۔ ہر امّت کے لیے ایک وقت مقررہ ہے اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کرلو گے، جس پر عذاب نازل ہو کر اسے رسوا کرے گا اور اس کے لیے دائمی عذاب مقرر ہوگا۔ پھر جناب فاطمہؑ انصار کی طرف متوجہ ہوئیں اور یہ فرمایا: اے جوانمردوں کے گروہ، اے ملت کے دست و بازو، اے اسلام کی حفاظت کرنے والو، میرے حق میں یہ کیسی سستی ہے اور میری فریاد سے یہ کیسی غفلت ہے، کیا میرے پدر بزرگوار تمہارے رسولؐ یہ نہیں فرماتے تھے کہ کسی شخص کی حفاظت اس کی اولاد کی حفاظت کرکے ہوتی ہے۔ کتنی جلدی تم نے دین میں بدعت پیدا کردی اور قبل از وقت اس کے مرتکب ہوئے حالاں کہ تم کو اس بات کی طاقت حاصل ہے جس کا میں مطالبہ کرتی ہوں اور تم کو قوّت حاصل ہے اس چیز پر جو میں تم لوگوں سے طلب کر رہی ہوں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے آنحضرت محمد مصطفیؐ نے وصال فرمایا۔ بس یہ بہت بڑی مصیبت ہے، جس کا رخنہ وسیع ہے، جس کا شگاف بہت زیادہ ہے اور اس کا اتصال افتراق سے بدل چکا ہے۔ زمین اس صدمے کی آفات سے تاریک ہوچکی ہے۔ خدا کے برگزیدہ بندے اس صدمے کی مصیبت میں محزون و مغموم رہتے ہیں، شمس و قمر بے نور اور ستارے پریشان ہیں۔ ان

بزرگوار کی ذات سے جو آرزوئیں وابستہ تھیں، وہ ختم ہو چکیں۔ اس مصیبت میں پہاڑوں کے دل بے آب ہو رہے ہیں، حرمتِ رسولؐ ضائع کر دی گئی اور حریمِ رسولؐ کی عظمت لوگوں کے دلوں سے اُٹھ گئی۔ پس یہ مصیبت قسم خدا کی بہت بڑی بلا اور عظیم مصیبت ہے۔ اس کے مثل کوئی اور بلا نہیں اور نہ اس سے زیادہ ہلاک کرنے والی تیز مصیبت ہے اور اس بلا کی خبر خدائے برتر کی کتاب میں خود تمہارے گھروں میں صبح و شام نہایت خوش الحانی کے ساتھ بلند آواز کے ساتھ پہنچا دی گئی تھی اور بیشک آنحضرتؐ سے پہلے خدا کے پیغمبروںؑ اور رسولوںؑ پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں، وہ امر واقعی اور قضائے حتمی تھیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے کہ محمدؐ فقط خدا کے رسولؐ ہیں۔ ان سے پیش تر بھی بہت سے رسولؑ گزر چکے ہیں۔ پس اگر محمدؐ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم لوگ اپنے پچھلے پیروں اپنے سابق جاہلیت کے زمانے کے مذہب پر پلٹ جاؤ گے اور جو شخص بھی اپنے پچھلے پیروں پر پلٹے گا، وہ ہرگز خداوند عالم کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا اور خداوند عالم عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔ اے قبیلہ اوس وخزرج، اے انصارِ محمدؐ، میرے باپ کی میراث میں ظلم کیا جائے، حالاں کہ تم میری آنکھوں کے سامنے ہو اور میں تمہاری آواز سن سکتی ہوں۔ میں اور تم ایک ہی مجمع میں موجود ہیں، تم سب کے سب میرے قبضے سے واقف ہو۔ تم سب جاننے والے ہو، تمہارے پاس سامان جنگ موجود ہے۔ تم قوّت رکھتے ہو، تمہارے پاس حملے کے لیے ہتھیار بھی موجود ہیں اور سپریں بھی، تم تک میری پکار پہنچ رہی ہے، مگر تم لبیک نہیں کہتے۔ تمہارے پاس فریاد کی آواز آ رہی ہے اور فریاد رسی نہیں کرتے۔ حالاں کہ تم دشمنوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت و استعداد رکھتے ہو اور خیر و صلاح کے ساتھ مشہور و معروف ہو اور تم وہ منتخب افراد ہو اور ایسے عمدہ ہو کہ تمہیں ہم

اہلبیتؑ کے لیے اختیار کرلیا گیا تھا۔تم نے عرب سے جنگ کی ،تعب اور مشقت برداشت کی۔دوسری امتوں سے جنگ کی اور بہادروں کا مقابلہ کیا۔پس ہمیشہ ہم حکم کرتے رہے اور تم ہمارا حکم مانتے رہے۔یہاں تک کہ جب ہمارے ذریعے سے اس اسلام میں داخل ہوئے تو ہم ہی سے دوری کرنا شروع کیا، زمانے کا نفع بڑھنا شروع ہوا،مشرک کی آواز بند ہوگئی، جھوٹ کا فوارہ بند ہوگیا، کفر کی آواز خاموش ہوگئی اور فتنہ وفساد کی آوازیں بند ہوگئیں، دین کا انتظام درست ہوگیا تو اب تم حق کے واضح ہونے کے بعد کہاں اس سے منہ موڑے جاتے ہو اور اعلان حق کے بعد اس کی آواز کو چھپا رہے ہو۔آگے بڑھ کے پیچھے ہٹ رہے ہو اور ایمان لانے کے بعد مشرک ہوئے جاتے ہو۔خدا برا کرے ان لوگوں کا جنھوں نے اپنے عہد کو توڑا اور رسولؐ کو نکالنے پر آمادہ ہوئے اور انھوں نے ہماری دشمنی میں دوسروں کو ملانے کی ابتدا تم سے کی ،تم ان سے ڈرتے رہو، حالاں کہ خدا زیادہ حق دار ہے کہ تم اُس سے ڈرو، بشرط یہ کہ تم مومن ہو۔میں دیکھ رہی ہوں کہ تم آرام طلبی پر مائل ہوگئے ہو اور اس بزرگ (علیؑ) کو دور کر دیا ہے جو دین کے حل وعقد کا زیادہ حقدار ہے۔تم زندگی کی تنگی سے نکل کر تو انگری میں آگئے ہو اور دین کی باتیں جو کچھ تم نے یاد کی تھیں ان کو تم نے دماغ سے بالکل نکال کر پھینک دیا ہے اور جس پانی کو شیریں سمجھ کر پیا تھا اس کو تم نے اُگل دیا۔پس اگر تم لوگ اور تمام اس زمین والے کافر ہوجائیں تو خدا کو کوئی پروانہیں ہے۔آگاہ ہو جاؤ کہ جو کچھ میں نے کہا ہے وہ اس ترک نصرت کو جانتے ہوئے کہا ہے جو تمہاری مزاج میں داخل ہوگئی ہے اور اس غداری کو جانتے ہوئے کہا ہے جس کو تمہارے دلوں نے چھپا رکھا ہے، یعنی میں جانتی تھی کہ تم میری فریاد پر لبیک نہیں کہو گے، لیکن یہ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ غم کا اظہار ہے۔کھولتے ہوئے دل کی آہ ہے۔

اب یہ ناقہ حکومت یا دین تمہارے سامنے ہے، اسے لو اور اس پر پالان باندھو، مگر یاد رہے کہ اس کی پشت مجروح ہے اور پاؤں زخمی ہیں۔ ان کا عیب باقی رہنے والا ہے، جس پر غضبِ خدا کی نشانی اور دائمی رسوائی کا نشان ہے۔ خدا کی آگ سے متصل ہے، جو بھڑک رہی ہے اور قیامت میں دلوں پر وارد ہوگی۔ پس جو کچھ کرتے ہو یا کرو گے وہ خدا کی نظر کے سامنے ہے اور عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے ان کی بازگشت کتنی بُری ہوگی۔ میں اُس پیغمبرؐ کی بیٹی ہوں جو تم کو تمہارے سامنے آنے والے عذاب شدید سے ڈراتا تھا۔ پس تم بھی انتظار کرو اور ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔''

جناب فاطمہؑ کا یہ کلام سن کر حضرت ابوبکر اس طرح گوہر افشاں ہوئے: اے رسولِؐ خدا کی بیٹی یقیناً آپؑ کے پدرِ بزرگوار مومنین پر مہربان، شفیق رافت و رحمت والے تھے اور کافروں کے لیے دردناک عذاب اور بڑی عقوبت والے تھے۔ پس اگر ہم ان کا ذکر کریں تو تمام دنیا کی عورتوں میں اُن کو صرف آپؑ کا باپ اور مردوں میں صرف آپؑ کے شوہر کا بھائی پائیں کہ جن کو آنحضرتؐ نے اپنے ہر دوست پر مقدم رکھا تھا اور آپ کے شوہر نے ہر بڑے امر میں آنحضرت کی مدد کی۔ تم اہلبیت کو نہ دوست رکھے گا مگر نیک بخت شخص اور نہ دشمن رکھے گا مگر شقی اور بد بخت تم رسول خدا کی پاکیزہ عترت اور پسندیدہ افراد ہو تم لوگ خیر کی طرف ہمارے رہبر اور جنت کی جانب ہمارے ہادی ہو اور اے بہترین نساء اور بہترین انبیاء کی دختر تم اس قول میں سچی اور اپنی زیادتی عقل میں سب سے آگے ہو تم نا اپنے حق سے روکی جاؤ گی اور نہ سچ بولنے سے باز رکھی جاؤ گی قسم خدا کی نہ تو میں نے رسول اللہ کی رائے سے تجاوز کیا ہے اور نہ بغیر اذن کوئی کام کیا ہے تلاش آب و دانہ میں آگے جانے والا اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا۔ میں خدا کو گواہ قرار

دیتا ہوں اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے کہ میں نے رسول خداؐ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم گروہ انبیاء نہ تو سونے چاندی کی میراث چھوڑتے ہیں اور نہ مکان و جائیداد ہم گروہ انبیاء تو کتاب وحکمت علم نبوت کو وراثت میں چھوڑ جاتے ہیں اور جو کچھ ہمارا مال ہوتا ہے وہ ہماری بعد ولی امر کا حق ہے اُسے اختیار ہے کہ وہ اس میں اپنا حکم جاری کرے اور جو تم مانگ رہی ہو یعنی فدک اس کو ہم نے جنگی گھوڑوں اور آلات حرب کے لیے مخصوص کردیا جس کے ذریعے سے مسلمان کافروں سے قتال و جہاد کریں گے اور سرکش فاجروں کا مقابلہ کریں گے اور یہ چیز میں نے تنہا اپنی رائے سے نہیں کی بلکہ مسلمانوں کے اجماع کی مدد سے کی ہے اور یہ میرا حال و مال آپ کا ہے اور آپ کے سامنے حاضر ہے اسے میں آپ سے دریغ نہ کروں گا آپ اپنے پدر بزرگوار کی امت کی سردار ہیں اور اپنی اولاد کی شجرہ طیبہ ہیں آپ کی فضیلت کا انکار نہیں ہوسکتا اور آپ کے فرع و اہل کو پست نہیں سمجھا جاسکتا آپ کا حکم اس مال میں نافذ ہے جو میری ملکیت ہے۔ پس کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں نے ان باتوں میں آپ کے پدر بزرگوار کی مخالفت کی ہے؟

حضرت ابوبکر کی یہ باتیں سُن کر جناب فاطمہؑ نے فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ مَاكَانَ اَبِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَنْ كِتَابَ اللّٰهِ صَادِقاً وَلاَ لِاَحْكَامِهِ مُخَالِفاً بَلْ كَانَ يَتَّبِعُ اَثْرَهُ وَ يَقْضِیْ سُوْرَهُ اَفَتَجْمَعُوْنَ اِلَی الْغَدَرِ اِعتِلالاً عَلَيْهِ بِالزُّوْرِ وَ هٰذَا بَعْدَ وَفَاتِهِ شَبِيْهٌ بِمَا يُعْنِی لَهُ

سبحان اللہ میرے پدر بزرگوار نہ تو کتاب خدا سے روگرداں تھے اور نہ اس کے احکام کے مخالف بلکہ اس کے حکم کے تابع تھے اور اس کی سورتوں کے پیرو تھے کیا تم لوگوں نے رسول اللہؐ پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعے دغابازی کا اجماع کرلیا ہے آنحضرتؐ کی وفات کے بعد یہ حرکت ویسی ہی ہے جیسے آنجنابؐ کی زندگی ان کو

مِنَ الْفَوَائِلَ فِیْ حَیَاتِہٖ ھٰذَا کِتَابُ اللّٰہِ حُکْماً عَدْلاً وَ نَاطِقاً فَصْلاً یَقُوْلُ یَرِثُنِیْ وَ یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَ یَقُوْلُ وَ وَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوٗدَ نَبَیِّنَ عَزَّوَجَلَّ فِیْمَا وَزَعَ مِنَ الْاَقْسَاطِ وَ شَرَعَ مِنَ الْفَرَائِضِ وَالْمِیْرَاثِ وَ اَبَاحَ مِنْ حَظِّ الذِّکْرَانِ وَالْاِنَاثِ مَا اَزَاحَ عِلَّۃُ الْمُبْطَلِیْنَ وَ اَزَالَ التَّظَنِّیَ وَالشُّبُھَاتِ فِی الْغَابِرِیْنَ کَلَّا بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْراً فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ

ہلاک کرنے کے لیے جاری تھی یہ کتاب خدا حاکم عادل فیصلہ کن ناطق ہے اس کا ارشاد ہے جیسا کہ حضرت ذکریاؑ نے کہا وہ لڑکا میرا بھی وارث بنے اور آل یعقوب کا بھی وارث بنے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرت سلیمانؑ جناب داود کا وارث بنا پس خداوند تعالیٰ نے جو مال کی تقسیم و میراث کی حد مقرر کردی ہے اور بنی آدمؑ کے مردوں اور عورتوں کا میراث میں جو حصہ قرار دیا ہے اس میں وہ چیز بیان کردی ہے جو باطل پرستوں کی غلط دلیلوں کو دور کردے اور آئندہ نسلوں کے گمان اور شبہات کو زائل کردے بیشک تمہارے نفسوں نے تمہارے سامنے ایک برے امر کو مستحسن اور خوشنما بنا کر پیش کردیا ہے۔ پس میرے لیے صبر جمیل ہی مناسب ہے اور جو باتیں تم بنا رہے ہو اس پر خدا ہی سے مدد طلب کی جائے گی۔

اس پر حضرت ابوبکر اس طرح گوہر افشاں ہوئے: خدا بھی سچا، خدا کا رسول بھی سچا اور رسولؐ کی بیٹی بھی سچی تم حکمت کا معدن، ہدایت و رحمت کا مسکن اور دین کا رکن ہو۔ تمہاری درست باتوں کو حق سے دور نہیں سمجھتا اور تمہارے کلام کا انکار نہیں ہے لیکن میرے اور تمہارے درمیان یہ مسلمان ہیں جنہوں نے مجھے حاکم بنایا ہے اور میں نے جو کچھ تم سے چھین کر اپنے قبضے میں لیا ہے ان ہی مسلمانوں کے اتفاق سے ہوا ہے۔ اس

میں نہ میں نے ہٹ دھرمی کی ہے اور نہ تنہا اپنی رائے سے کام لیا ہے اور یہ لوگ اس کے گواہ ہیں۔

یہ جواب سن کر جناب سیّدہؑ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا:

مُعَاشِرَ النَّاسِ الْمُسْرِعَةُ اِلٰی قِیْلَ الْبَاطِلِ الْمُضِیَةُ عَلَی الْفِعْلِ الْقَبِیْحِ الْخَاسِرِ اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبِ اَقْفَالُھَا کَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَا اَسَاْتُمْ مِنْ اَعْمَالِکُمْ فَاَخَذَ بِسَمْعِکُمْ وَ اَبْصَارِکُمْ لَبِئْسَ مَا تَاَوَّلْتُمْ وَ سَا مَا بِہٖ اَشَرْتُمْ و شَرَّ مَا مِنْہُ اَعتَضْتُمْ لاَ تَجِدُنَّ وَاللّٰہُ مَحْمَلَہٗ ثَقِیْلاً وَ غِبَّہٗ وَبِیْلاً اِذَا کُشِفَ لَکُمُ الْغِطَائُ وَبَانَ مَا وَرَاءَ الضَّرَّاءِ وَ بَدَالَکُمْ مِنْ رَّبِّکُمْ مَالَمْ تَکُوْنُوْا تَحْتَسِبُوْنَ وَ خَسِرَ ھُنَالِکَ الْمُبْطِلُوْنَ ثُمَّ عَطِفَتْ عَلٰی قَبْرِ النَّبِیِّ صلی اللّٰہ علیہ والہ وسلّم قَالَتْ قَدْ کَانَ بَعْدُکَ اَنْبَاءٌ وَ ھَنْبَثَۃٌ لِیْ کُنْتَ

اے انسانوں کا وہ گروہ جو باطل کا قول اختیار کرنے پر جلدی کرنے والا ہے جو فعل قبیح ونقصان دہ ہے چشم پوشی کیے ہوئے ہے کیا تم لوگ قرآن مجید پر غور وفکر نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں بیشک تمہارے دلوں پر تمہارے فعل بد کا رنگ چڑھ گیا ہے جس نے تمہارے گوش وچشم کو بالکل بیکار کردیا ہے جو تاویل تم نے کی ہے وہ بہت بری اور جو اشارہ تم نے کیا ہے وہ بہت نسوہ بدتر ہے اور وہ بہت شر عظیم ہے جس کو تم نے حق کے بدلے میں اختیار کیا ہے۔ قسم خدا کی تم اس کے بوجھ کو بہت بھاری اور اس کے انجام کو مصیبت ناک پاؤ گے جب تمہارے سامنے سے پردے ہٹادیئے جائیں گے اور گھن دار جنگل کی طرح ادھر کی چیزیں سامنے آجائیں گی اور تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہیں وہ

شَاهِدُهَا لَمْ تَكْثُرِ الْخَطْبُ اِنَّا فَقَدُ فَاکَ فَقَدَ الْاَرْضِ وَابِلَهَا وَاخْتَلَّ قَوْمُکَ فَاشْهَدُهُمْ وَلَا تَغِبُ

سزا ملے گی جس کا تم گمان بھی نہ کرتے تھے اس وقت باطل پرست گھٹا اٹھائیں گے۔

یہ فرما کر قبر پیغام کی طرف متوجہ ہوئیں اور چند شعر انشاء کیے۔ جن کا ترجمہ یہ ہے:
پدر بزرگوار آپؐ کے بعد نئی خبریں اور مختلف قسم کی باتیں پیدا ہو گئیں۔ اگر آپ ان کے دیکھنے والے ہوتے تو یہ مصیبتیں نہ پڑتیں ہم آپ کے فیض سے اس طرح محروم ہو گئے جس طرح زمین آب باراں سے محروم ہو جاتی ہے۔ آپ کی قوم کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ لوگ کس طرح حق کی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ بلاغات النسآء کے مؤلف کہتے ہیں کہ اُس دن سے زیادہ رونے والے مرد یا عورتیں ہم نے اور کسی دن نہیں دیکھے۔

علامہ ابن قتیبہ نے واقعات کو اس ترتیب سے لکھا ہے کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضیہ فدک پہلے واقع ہوا اور اس کے بعد حضرت عمر کا خانہ فاطمہؑ کے جلانے کے لیے آگ لے جانے کا سانحہ پیش آیا کیونکہ علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؑ کو کشاں کشاں بغرض بیعت ابوبکر کے پاس لے گئے اور حضرت علیؑ نے بیعت سے انکار کیا اور آپ قبر رسولؐ پر فریاد کرنے گئے تو اس کے بعد عمر کی صلاح سے حضرت ابوبکر و عمر دونوں حضرت فاطمہؑ کی خدمت میں اپنا عذر پیش کرنے لگے کہ انہوں نے فدک کیوں چھین لیا لیکن جناب فاطمہؑ نے قبول نہ کیا اور ان کی طرف سے منہ پھیر لیا۔
(مزید دیکھیں: کتاب الامامت والسیاست، ابن قتیبہ الجزاوّل ص۱۴، البلاغ المبین حصہ دوم ص۱۰۳)

ہمارے مورخین و مناظرین کو چاہیے کہ جناب فاطمہ علیہا السلام کے ان خطبوں

سے جو مطالب اخذ ہوتے ہیں ان پر غور کریں جناب رسولؐ خدا کی ساری تعلیم کا نہایت صحیح الفاظ میں خلاصہ ہیں معرفت الٰہی عظمت و رفعت نبوت امامت کی شناخت اور اُس کے فرائض و حقوق و قرآن شریف کی تعلیم اور اس اوامر و نواہی نماز، روزہ، زکوٰۃ، ایمان کی غرض و غایت اور ان کی مصلحت، عدل خداوندی پر بھروسہ حشر و نشر پر ایمان عاقبت کی سزا و جزا کی طرف امّت کی توجہ دلانا اور ان کا یقین لوگوں کے دلوں میں پیدا کرنا کونسی بات ہے جو ان میں نہیں ہے معرفت الٰہی کی تعلیم ایسے مختصر اور جامع الفاظ میں اس سے زیادہ ممکن نہیں امّت اسلامیہ میں گمراہی و ضلالت محض اس وجہ سے پھیلی کہ انھوں نے شان نبوت کو نہ سمجھا جناب فاطمہؑ نے شان نبوت اس طرح بتائی ہے جناب محمد مصطفیٰؐ کو خداوند تعالیٰ نے اختیار کیا اور منتخب کیا قبل اس کے کہ رسالت کا بار ان پر ڈالا اور ان کی مبعث سے پہلے ہی تمام انبیاء کو عظمت سے آگاہ کر دیا اور یہ سب اس وقت ہوا کہ ابھی تمام عالم پردہ عدم میں تھا پیدا بھی نہیں ہوا تھا یہ اس لیے تھا کہ خداوند عالم کو انجام امور کی خبر تھی اور زمانہ کے حوادث کو اس کا علم محیط کیے ہوئے تھا یہ تھے محمد مصطفیٰؐ لیکن امّت کی اکثریت نے انھیں کیا سمجھا کہ اپنی آل کو ہمارے سر پر محبت کی وجہ سے اور ہمارے لیے علیؑ کو اپنا جانشین اس وجہ سے کر رہے ہیں کہ وہ ان کے داماد ہیں بھائی ہیں پھر ہم کیوں ان کے حکم کو مانیں لہٰذا ان کے حکم دو قسم کے تھے ایک وہ جن کی اطاعت ہم پر واجب تھی دوسرے وہ جو منصب نبوت سے باہر تھے ہمارے اوپر فرض نہیں ہے کہ ہم ان احکام کو مانیں لہٰذا ہم علیؑ کو خلیفہ نہیں مانتے حضرت عائشہ کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہیں اور کیا جملہ ہے کہ رات کو بارہ بجے کے قریب جب آنحضرت اٹھ کر باہر چلے تو میں سمجھی کہ کسی عورت کے پاس جا رہے ہیں لہٰذا میں ان کے پیچھے ہوئی

لیکن آنحضرتؐ قبرستان بقیع کی طرف گئے یہ ہے معرفت نبوت کا فرق اسکے بعد جناب معصومہؑ عربوں کی بلکہ دنیا کی جاہلیت وگمراہی کا جو قبل بعثت تھی بیان فرماتی ہیں پھر جو کام آنحضرتؐ نے کیا اس کی تفصیل یہ ہے کہ اہل مجلس کی طرف مخاطب ہو کر کہتی ہیں کہ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد تمھارا کیا فرض ہونا چاہیے تھا تمھارے درمیان میں قرآن ہے اس کے اوامر ونواہی پر عمل کرو پھر آپ ایمان نماز روزہ زکوٰۃ اور امر ونواہی قرآن کی غرض وغایت بیان فرماتی ہیں پھر امامت کے فرائض وحقوق کی طرف متوجہ ہوتی ہیں آپ فرماتی ہیں کہ ہماری اطاعت وامامت تم پر واجب ہے۔

ہماری اطاعت وامامت سے ملت میں مرکز قائم کرنا متصور تھا اور ہماری ہدایت کی وجہ سے تم تفرقہ سے بچو گے پھر آپ جہاد صبر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے منافع سے آگاہ فرماتی ہیں والدین سے نیکی کرنا صلہ رحم قائم رکھنا زنا وشراب سے اجتناب کرنا ان کے مصلحت واحکام سے مطلع کرتی ہیں اس کے بعد اپنے اور حضرت علیؑ کے فضائل سے آگاہ فرماتی ہیں حضرت علیؑ نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر اسلام کو پھیلایا مشرکین کو قتل کیا جنگ کی صعوبتیں اثبات قدم کے ساتھ اٹھائیں درآنحالیکہ تم اس وقت بھی عیش وراحت کے طالب تھے اور رسولؐ اللہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے علیؑ ہی کو ہر بلا وخطرے سے مقابلہ کرنے کے لیے جناب رسولؐ خدا نے بھیجا اور علیؑ وہاں سے نہیں پلٹے جب تک کہ ان بلاؤں کو اپنے پیروں سے نہ کچل لیا اس وقت بھی تم خوشگوار اور راحت والی زندگی بسر کر رہے تھے اور تمھارے دل میں یہ آرزوئیں تھیں کہ ہمارے اوپر مصیبت پڑے اور تم جنگ سے بھاگ جاتے تھے یہ بہت غور کرنے کی بات ہے ہم نے جو کچھ البلاغ المبین میں دیکھا ہے ان سب کو یہ ایک فقرہ ثابت کرتا ہے کہ حضرت علیؑ کے

خلاف سازش آنحضرتؐ کے زمانے سے تھی ان لوگوں کی خواہش تھی کہ حضرت علیؑ پر جو کفار سے لڑ رہے تھے مصیبتیں پڑیں یعنی وہ قتل ہو جائیں گویا کفار کے قاتل کی موت چاہتے تھے نتیجہ نکلا یہ لوگ اس وقت بھی دل سے مسلمان نہ تھے آنحضرت کی رحلت کے بعد کیا ہوا جناب فاطمہؑ فرماتی کہ تم لوگوں میں جو نفاق اور ہم سے عداوت تھی وہ ظاہر ہوگئی شیطان گوشہ میں چھپا ہوا تھا اس نے سر نکالا تم کو آواز دی اور تم نے اس کی آواز پر لبیک کہی اپنی فرمانبرداری لے لیے تم کو شیطان نے تیار پایا اب تم شیطان کے راستہ پر چل رہے ہو جن لوگوں نے بستر مرگ پر رسول اللہؐ کو ان کے آخر وقت میں کہا تھا کہ حسبنا کتاب اللہ ان الرجل لیھجر اور آپ نے فرمایا تھا کہ قوموا عنی ان لوگوں کو آپ کتاب اللہ کی طرف بلاتی ہیں اور کہتیں ہیں کہ یہ ہے کتاب اللہ ہمارے اور تمھارے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو وہ لوگ اعراض کرتے ہیں وہ لوگ اس کتاب اللہ کا ذکر کرتے ہیں کب؟ جب رسولؐ اللہ سے نافرمانی کرنی ہوتی ہے یا شام کے کافروں کو شکست کے عذاب سے بچانا مطلوب ہوتا ہے۔

آپ صاف طور سے فرماتی ہیں کہ تم نے اسلام صرف ظاہراً اختیار کر رکھا ہے دراصل باطن میں نفاق ہے رسولؐ اللہ کے اہلبیتؑ اور اولاد کے خلاف تم چالیں چل رہے ہو اس سے یہ بات صاف طور سے عیاں ہوگئی کہ اہلبیت رسولؐ کون ہیں ازواج ان میں شامل نہیں کیونکہ ازواج کے خلاف یہ لوگ کوئی چالیں نہیں چل رہ تھے فدک کے معاملہ میں آپ نے ایسی عمدہ بحث کی ہے کے جس کا جواب نہیں ہوسکتا اس بحث کے بعد حضرت ابو بکر کو مخاطب کر کے فرماتی ہیں کہ ابو بکر اپنے کاموں کے نتائج سے تو قیامت کے دن ملاقی ہوگا خداوند تعالیٰ حاکم ہوگا اور محمد ہمارا ضامن اور کفیل ہونگے پس اے

ابوبکر میری اور تیری وعدہ گاہ اب قیامت ہے قیامت کے دن باطل پرست گھاٹے میں رہیں گے اور اس وقت کی ندامت تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچائے گی ہر امر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم اس شخص کو معلوم کرلو گے جس پر عذاب نازل ہو کر اسے رسوا کرے گا اور اس کے لیے دائمی عذاب مقرر ہوگا جناب فاطمہؑ نے انصار سے کتنی فریاد کی ہے اور نصرت چاہی ہے لیکن حکومت اور دنیا کی وجہت نے ان لوگوں کے اندر سے عربوں کی حمیت کو بھی زائل کر دیا تھا ورنہ عرب قوم ایسی تھی کہ مظلوم عورت کے استغاثہ کے استغاثہ پر فوراً تیار ہو جاتے تھے لیکن وہ سازش ایسی گھر کرگئی تھی اور اس کا اثر ایسا ان کی طبیعت میں نفوذ کیا گیا تھا کہ یہ ذرا ٹس سے مس نہ ہوئے جناب فاطمہؑ نے ٹھیک فرمایا کہ رسولؐ کی حرمت ضائع ہوگئی آپ نے یقیناً فرمایا کہ ان کے اوپر ان لوگوں نے ظلم کیا تھا حضرت ابوبکر کی لاوارث روایت کے متعلق آپ فرماتی ہیں کہ تم لوگوں نے رسولؐ اللہ پر جھوٹ باندھ کر اس کے ذریعہ سے دغا بازی یہ اجماع کرلیا ہے آنحضت کی وفات کے بعد یہ حرکت ویسی ہی تھی جیسی آنحضرتؐ کی زندگی میں ان کو ہلاک کرنے کیلیے کی جارہی تھی اس خطبہ میں بھی یہ پیشنگوئی ہے کہ خلافت کو اس کے مستحق سے ہٹا کر تم اب ہمیشہ ضلالت میں رہو گے یہ پیشنگوئی نہایت صاف اور صریح الفاظ میں اس تقریر میں ہے جو بستر مرگ پر مہاجر و انصار کی مستورات کے سامنے کی تھی اس پیشنگوئی پر ہم اس جگہ تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

حضرت فاطمہؑ کی منزلت اللہ اور رسول کے نزدیک

حضرت فاطمہؑ زہرا کی جو منزلت اللہ اور رسولؐ کی نظر میں تھی وہ ہم نے پہلے تھوڑا بہت کتاب معرفت میں حق بیان کیا ہے جناب رسولؐ اللہ کی دل میں اپنے رشتہ داروں کا

در دسنّت رسولؐ کی پیروی اور آنحضرتؐ کے فعل و عمل کی تلقین کا دعویٰ شروع سے ہوتا آیا ہے لہٰذا اس دعویٰ کو بھی مدنظر رکھ کر قضیہ فدک پر تنقید کرنی ضروری ہے جب جنگ بدر کی شام ہوئی تو کفار (قیدیوں کو مسلمانوں نے زنجیروں سے جکڑ دیا جناب رسولؐ کو بڑی رات تک نیند نہ آئی جب اصحاب نے وجہ دریافت کی تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھے عباس کے کراہنے کی آواز بے چین کر رہی ہے اس پر لوگ اٹھے اور عباس کو کھول دیا اور جناب رسولؐ اللہ آرام سے سو گئے۔

(تاریخ طبری الجزء الثانی ۲۸۸ تاریخ ابن ہشامی الجزء الثالث صفحہ ۲۹۹ اردو ترجمہ تاریخ ابن خلدون جلد نمبر 3 صفحہ 87)

مقدمہ فدک کے فیصلہ پر تنقیدی نظر

اہلبیتؑ رسولؐ میں سے ہر ایک بزرگوار نے خواہ وہ مرد ہو یا عورت سے اپنے اپنے وقت میں اپنے اپنے طریقہ سے اس طرح دین حقّہ کی تبلیغ کی ہے کہ ذرا سا غور کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ **کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وَ تنهَونَ عن المنكر** کے مقصود یہی حضرات ہیں اہلبیت رسولؐ میں سے پہلی شہیدہ مظلومہ جناب فاطمہؑ ہیں جو طریقہ جہاد ان کے لیے موزوں تھا اور جو طریقہ تبلیغ کے ان کی شان کے لائق تھا اس کو انھوں نے ایسے احسن شکل میں پورا کیا ہے کہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی یہ بزرگوار سب کے سب اللہ کی طرف سے مامور تھے آپ کا کام اپنے اثر و نتائج میں اپنے شوہر و فرزندوں کے کام سے کسی طرح کم نہ تھا جناب معصومہؑ کا طرز عمل اپنی نوعیت میں ایسا ہی تھا کہ جیسا جناب رسولؐ اللہ کا بستر مرگ پر تحریر وصیت کے لیے قلم دوات طلب کرنا ان دونوں موقعوں پر جماعت مخالفین چکرا گئی اور کچھ نہ سوجھا کے کیا کریں پہلے موقع پر بھی بات نہ بن سکی اور نہایت بھونڈا فقرہ ان

الرجل لیھجر کہہ گزرے یہ فقرہ جو اپنے پیغمبرؐ و محسن نسبت کہا گیا ہے کس طرح دماغی حالت و بے بسی کو ظاہر کر رہا ہے اسی طرح جناب فاطمہؑ نے براہ راست دعویٰ کر کے فریق مخالف کے اصلی مدعا کے مقصد کو ایسا بے نقاب کیا کہ اس کو کسی کی ذہانت و ذکاوت وسیاست نہ چھپا سکی حضرت فاطمہؑ نے خود دربار خلافت میں اپنا دعویٰ اصالتاً پیش کر کے بحث کے سارے پہلوؤں کو غیر متعلق بنا دیا آپ نے فرمایا میں رسولؐ کی بیٹی اس اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ جس نے میرے والد بزرگوار محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث بررسالت کیا کہ جناب رسولؐ اللہ نے مجھے فدک ہبہ کر کے دیا تھا اور فدک مع دیگر جائیداد رسول اللہ یوں بھی وراثت میں مجھ کو ہی پہنچتا ہے میں اپنے دعویٰ کی صداقت میں ان گواہوں کو پیش کرتی ہوں جن کی شہادت تصدیق رسالت کے لیے اللہ تعالیٰ نے نصریٰ نجران کے سامنے پیش کی تھی اب صرف ایک ہی سوال رہ گیا ہے اب بتاؤ گے تم مجھ کو اور میرے ان گواہوں کو جھوٹا قرار دیتے ہو یا تسلیم کرتے ہو کہ تم ناحق پر ہو دربار خلافت سے فیصلہ صادر ہوتا ہے کہ ہم تم کو اور تمھارے گواہوں کو سچا نہیں سمجھتے لہٰذا تمھارا مقدمہ خارج کرتے ہیں اس وقت آپ نے ایسا فصیح و بلیغ و مدلل خطبہ ارشاد فرمایا کہ جس کا جواب وہ نہ دے سکے اور نہ ان تیرہ صدیوں میں کوئی اس کا جواب پیدا کر سکا غور کرنے والا دماغ اور حق کو سمجھنے والا دل چاہیے خود بخود نتیجے نکلتے آئیں گے اس سے بہتر طریقہ تبلیغ حق کا اس صورت حالات کے اندر اور نہیں ہوسکتا تھا اس نے اس فقرہ حسبنا کتاب اللہ کو بھلا دیا جس کے اوپر فریق مخالف کے مذہب و بحث کا دارومدار تھا ایسے اوسان خطا ہوئے کہ خود ہی اپنے عمل سے اس فقرے کی تردید کر دی اس قرآن کے صحیح احکام وراثت کو بھی نظر انداز کرنے پر مجبور ہو گئے جس کی نسبت کہا تھا کہ حسبنا

کتاب اللّٰہ اب اس کتاب کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اس مقدمہ کی کارروائی اور اس کے فیصلے سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ حق کس طرف تھا اب ہم اس قضیہ فدک پر شہادت کو زیر نظر رکھ کر بحث کرتے ہیں ناظرین کو چاہیے کہ بغیر تعصب مذہبی کے ہماری اس بحث کو غور سے مطالعہ کریں:

ا۔ قضیہ فدک میں سب سے پہلے جس پر نظر پڑتی ہے اور آخر تک جس کی اہمیت نہیں کی جاتی وہ جناب معصومہؑ کا خطبہ ونواہی نماز روزہ ہے جو اس فیصلہ کے بعد انصار و مہاجرین کے مشترکہ جلسے میں بیان ہوا پھر جن الفاظ میں حضرت علیؑ سے جا کر ان لوگوں نے شکایت کی وہ بھی قابل غور ہیں ہم ان پر زیادہ نہیں لکھتے ناظرین کے غور وفکر پر ہم سب کو چھوڑتے ہیں اگر وہ اس پر غور کریں گے تو انھیں معلوم ہوگا کہ اس مقدمہ پر اس کے زیادہ کچھ لکھا ہی نہیں جا سکتا جو بحث جناب معصومہؑ نے دوران مقدمہ میں حدیث لانورث اور وراثت کے متعلق کی وہ بھی بہت فکر کے لائق ہے۔

۲۔ دوسری بڑی اہمیت کی بات جو ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کو اس مقدمہ کا اختیار سماعت حاصل نہ تھا جناب فاطمہؑ کا مقدمہ یا تو حضرت ابوبکر کے خلاف تھا یا اس حکومت کے خلاف تھا جس کے کارکن اور افسر اعلیٰ حضرت ابوبکر تھے دونوں صورتوں میں حضرت ابوبکر کی خواہش اور خوشی اسی میں تھی کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ خارج ہو کسی ملک کے کسی قانون میں یہ نہیں ہے کہ خود مدعا علیہ ہی مقدمہ کا فیصلہ کرلے یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ جس حدیث کی بنا پر دعویٰ خارج کیا گیا وہ بھی حضرت ابوبکر نے بیان کی حدیث کیا یہ تو مقدمہ خارج کرنے کا بہانہ ہوا۔

۳۔ حضرت ابوبکر کو چاہیے تھا کہ یہ مقدمہ کسی قاضی سے فیصلہ کراتے اور اگر خود ہی

کرنا تھا تو مسجد میں تمام صحابہ کے سامنے اوران کے مشورہ سے فیصلہ کرتے جس طرح وہ اور مقدمات کے فیصلے کیا کرتے تھے جماعت حکومت کے علماء کی نظر ادھر تو گئی کہ اولاد کی شہادت والدین کے حق میں قبول نہ ہونی چاہیے لیکن مذہبی تعصب نے انھیں یہ نہ دیکھنے دیا کہ مدعا علیہ نے خود دعویٰ کا فیصلہ کیا ہے۔

۴۔ یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ اس دعوے کے خارج ہونے میں حضرت ابوبکر کا ذاتی فائدہ تھا جس طرح کہ یہ جناب رسولؐ خدا کی ذاتی ملکیت تھی حضرت ابوبکر نے اپنے تئیں جناب رسولؐ خدا کا جانشین تصور کر کے اس کو ذاتی ملکیت بنالیا تھا کسی روایت سے ظاہر نہیں ہوتا کہ اس کو یا اس کی پیداوار کو حضرت ابوبکر نے مسلمانوں میں تقسیم کیا ہو اس کا مزید ثبوت مامون رشید کے حکم نامے سے ملتا ہے چنانچہ مامون نے جب فدک بنو فاطمہؑ کا حق سمجھ کر حضرت ابوبکر کے فیصلہ کو غلط تصور کر کے بنو فاطمہؑ کو دینا چاہا تو اس نے لکھا تھا کہ آئندہ سے محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہ کو ایسا ہی مالک کامل سمجھنا جیسا کہ میرے غلام مبارک کو سمجھتے تھے گویا مامون الرشید کا غلام خلیفہ کی ذاتی ملکیت ہونے کی وجہ سے اس کی طرف سے قابض تھا صاف عیاں ہوا کہ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ براہ راست حضرت ابوبکر کے خلاف تھا اور اس دعویٰ کا مانا جانا حضرت ابوبکر کے ذاتی مفاد کے خلاف ہوتا حضرت علیؑ کے زمانہ خلافت میں ایک ذرہ کے متعلق ایک یہودی میں اور حضرت علیؑ میں تنازعہ تھا وہ مقدمہ حضرت علیؑ نے قاضی کے سپرد کر دیا اور خود بطور مدعی اس کی عدالت میں مدعا علیہ کے برابر جا کر کھڑے ہو گئے انصاف اس کو کہتے ہیں۔

۵۔ حضرت فاطمہؑ کا دعویٰ تھا کہ (۱) فدک تو جناب رسولؐ اللہ نے انھیں ہبہ کر کے دے دیا ہے اور (۲) اقطاع حوالی مدینہ وخمس خیبر میں ان کا حصہ بطور وارث کے ہے یعنی

ترکہ رسولؐ اللہ کی وہ حقدار ہیں۔

٦۔ حضرت ابوبکر کو چاہیے تھا کہ حضرت فاطمہؑ کی سچائی پر یقین کر کے دعویٰ کو قبول کر لیتے جس طرح انھوں نے دیگر صحابہ کے ایسے ہی دعویٰ محض ان کے بیان پر اعتبار کر کے ان کے حق میں فیصلے کر دیئے۔

٧۔ خود حضرت ابوبکر و حضرت زبیر عبدالرحمٰن بن عوف ابو دجانہ اور دیگر حضرات کو آنحضرتؐ نے بنو نضیر کی جاگیریں ہبہ کر دی تھیں وہ اسی طرح کی اراضیات تھیں جس طرح کی فدک کی تھیں یعنی آنحضرتؐ کی اپنی ملکیت تو ان اصحاب سے کیوں نہ ہبہ کی شہادت طلب کی اور کیوں نہ ان کی اراضیات پر قبضہ کر کے ان کو بے دخل کر کے انھیں دعویٰ کرنے پر مجبور کیا ایک کوٹھے پر دو ہواؤں کا کے کیا معنی۔

٨۔ جناب فاطمہؑ نے شہادت پیش کی اب ہم اس شہادت پر غور کرتے ہیں حضرت ابوبکر کے اس فیصلہ ہبہ فدک کی توثیق مندرجہ ذیل تین وجوہات سے کی جاتی ہے۔

ا) نصاب شہادت پورا نہ تھا۔

ب) حضرت علیؑ و حضرت حسنینؑ کی شہادت رشتہ داری کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔

ج) حضرت حسنین اور اُمّ کلثوم صغیر سن تھے ان وجوہات پر غور کرتے ہیں کہ نصاب شہادت کی ضرورت ہی کیوں ہے؟

نصاب شہادت تو وہاں دیکھا جاتا ہے کہ جہاں دو فریقین میں تنازعہ ہو یہاں دو فریقین ہی ابھی موجود نہ تھے حضرت ابوبکر تو قاضی اور منصف و حاکم کی حیثیت میں تھے ابھی مدعا علیہ تو کوئی نہ تھا جو تردید کرتا جب تردید ہی کوئی نہ تھی تو پھر نصاب شہادت

دیکھنے کی ضرورت ہی نہ تھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور ان کے مقلدین انہیں مدعا علیہ ہی سمجھتے تھے اور بطور مدعا علیہ ہی کے دعوئے کے لیے ثبوت طلب کیا اور اپنی طرف سے لاوارث حدیث بیان کی یہ کس ملک کے قانون میں جائز ہے کہ مدعا علیہ ہی فیصلہ کر دے اگر اس مقدمہ میں حضرت ابوبکر کو حاکم سمجھتے ہو تو اس کو چاہیے تھا کہ جملہ مسلمانوں کے جلسہ عام میں دعویٰ مدعیہ سناتے اور ان سے عذرات طلب کرتے ممکن ہے کہ وہ سب دعویٰ مدعیہ تسلیم ہی کر لیتے تو پھر شہادت کی ضرورت ہی نہ ہوتی حاکم کو تو محض اپنی تسلی کر لینی چاہیے کہ یہ شخص سچ بول رہا ہے اس کے شہادت کی ضرورت نہیں کیونکہ مدعا علیہ کے دعوے کا انکار کرنے والا اور کوئی نہ تھا حضرت ابوبکر کی تسلی کے لیے کافی ثبوت تھے سینکڑوں ایسی احادیث رسول تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ علیؑ و فاطمہؑ کبھی جھوٹ نہ بولیں گے آنحضرتؐ کی چند احادیث پر غور کریں:

ا۔ فاطمہؑ جنت کی عورتوں کی سردار ہے۔

ب۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ حضرت فاطمہؑ سے زیادہ میں نے کسی کو سچا نہیں دیکھا تھا۔

ج۔ علیؑ و قرآن دونوں قیامت تک ساتھ رہیں گے کبھی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے۔

د۔ جدھر جدھر علیؑ پھرتا ہے ادھر ادھر حق پھرتا ہے اس سے زیادہ کن الفاظ میں حضرت علیؑ کی صداقت کو بیان کیا جاتا۔

ھ۔ آیہ تطہیر۔

و۔ ان ہی بزرگوں کو مباہلہ کے لیے لایا گیا کیونکہ وہاں جھوٹوں پر لعنت

ہونی تھی۔

ز۔ علیؑ صدیق اکبر اور فاروق اعظم ہے۔

ح۔ اگر ان پر صلوٰۃ و درود نہ بھیجا جائے تو نماز قبول نہیں ہوتی۔

ط۔ ان سے محبت کرنا اجر رسالت ادا کرنا ہے۔

ی۔ یہ تو فدک تھا حضرت علیؑ نے ادائیگی فرض کے سامنے خلافت کو لات مار دی۔ سقیفہ بن سعدہ میں خلافت اچھلتی رہی لیکن علیؑ نے پہلوئے رسولؐ کو نہ چھوڑا۔ ایسے علیؑ کی نسبت گمان کرنا کہ وہ فدک کی آمدنی کے لیے جھوٹ بولے گا کیسا بے ہودہ خیال ہے۔ ذرا مسٹر گاندھی جواہر لال نہرو پنڈت مدن موہن مالوی کی نسبت یہ کہہ کر دیکھو کہ وہ جھوٹے تھے دیکھو ہندو کیا کہتے ہیں۔ حضرت ابوبکر کے اس طرز عمل کو دیکھ کر محض ایک صحابی کے کہنے پر کہ رسولؐ خدا نے اس سے وعدہ کیا تھا اشرفیوں کی لپیں بھر کر دے دیں حضرات اہلسنّت والجماعت نے اپنے فقہ کا اصول رکھا ہے کہ ایک صحابی عادل کی گواہی کافی ہے۔

(فتح الباری شرح بخاری پ ۹ صفحہ ۴۲ عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۶۷۵)

کیا حضرت علیؑ عادل نہ تھے حضرت خزیمہ بن ثابت کو ذوالشہادتین کہتے ہیں ان کی ایک گواہی دو آدمیوں کے برابر سمجھی جاتی تھی کیا حضرت علیؑ ان سے بھی گئے گزرے تھے۔ شہادت تو ایک ذریعہ ہے مقصد تو دریافت حق ہے نصاب شہادت معمولی حالات کے لیے رکھا گیا ہے اس سے وہ صورتیں مستثنیٰ ہیں جن میں حاکم کو واقعات کا علم حقیقی ہو۔ کیا آپ کو یہ کہنا گوارہ ہوگا کہ امام ابوحنیفہؒ امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ حضرت غوث اعظمؒ امام مسلم یا ان اولیاؤں میں سے کسی ایک نے جن کی فہرست بہت طویل ہے اپنے

مفاد ذاتی کے لیے جھوٹ بولا تھا اگر وہ جھوٹ نہیں بول سکتے تو کیا حضرت علیؑ جھوٹ بول سکتے تھے؟

مسلمانو غور کرو اللہ تعالیٰ کو جان دینی ہے انصاف بھی کچھ چیز ہے قرآن شریف میں انصاف کرنے کی کتنی تاکید ہے حضرت ابوبکر نے ایام حج میں عام منادی کرادی کہ جس کے ساتھ رسول اللہؐ نے کچھ وعدہ کیا ہو وہ میرے پاس آکر وعدہ پورا کرالے۔ لوگ آتے تھے اور جو وعدہ اپنے منہ سے بیان کرتے تھے وہ پورا کیا جاتا تھا صرف ان کی ہی زبان پر لپیں بھر بھر کر زر و جواہرات دیئے گئے جاگیریں دی گئیں نہ گواہ نہ شاہد نہ تنقیص نہ نصاب شہادت کا اصرار لیکن دختر رسولؐ آکر جو دعویٰ کرتی ہے تو شہادت پیش کردہ پر تنقید کی جاتی ہے اور نصاب شہادت بھی یاد آجاتا ہے اور آخر میں فیصلہ کیا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہؑ اور ان کے گواہوں کے بیان قابل اعتبار نہیں لہٰذا دعویٰ خارج آخر اس کا سبب کیا ہے؟ آل رسولؐ کو کیوں اس قدر ذلیل کیا جاتا ہے صرف اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہؑ کا شوہر اس حکومت کا مدعی ہے کہ جس پر تم نے قضیہ کر لیا ہے ڈر یہ ہے کہ آج اگر ہم فدک کے معاملے میں جناب فاطمہؑ کو سچا سمجھ لیں تو کل آکر یہ دعویٰ نہ کر دیں کہ علیؑ کو رسولؐ اللہ نے اپنا جانشین مقرر کر دیا پھر ہم کس منہ سے ان کو جھوٹا کہیں گے جناب فاطمہؑ نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حضرت علیؑ کو پیش کیا حضرت ابوبکر نے دوسرا گواہ مانگا اس پر اُمّ ایمن کو پیش کیا حضرت ابوبکر نے کہا کہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا ان کے علاوہ امام حسنؑ و امام حسینؑ و اُمّ کلثومؑ نے بھی حضرت فاطمہؑ کے حق میں گواہی دی وہ شہادت اس وجہ سے باطل سمجھی گئی کہ اولاد اور کم سن بچوں کی شہادت اپنے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ ریاح غلام رسولؐ اللہ کی گواہی بھی پیش کی گئی انھوں نے بھی

حضرت فاطمہؑ کے حق میں شہادت دی۔

(فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر صفحہ ۴۴۔۴۵ صواعق محرقہ ابن حجر مکی باب اوّل فصل الخامس صفحہ ۲۲، سیّد نورالدین سمہودی وفاء الوفا الجز الثانی باب السادات فصل الثانی صفحہ ۱۵۷ ابراھیم بن عبداللہ الوصابی کتاب الاکتفاء ابن حزم اندلسی کتاب محلی)

بچوں کی شہادت یوں رد کی گئی کہ وہ بچے تھے۔ اب رہ گئے اُمِّ ایمن اور حضرت علیؑ ان سے نصاب نہیں پورا ہوتا، لیکن حضرتِ فاطمہؑ کا بھی بیان تھا۔ تعجب ہے کہ اس گئے گزرے زمانے میں عیسائیوں کے عہد میں تو مدعی بھی ایک گواہ سمجھا جاتا ہے اور بطور گواہ وہ اپنا بیان دے سکتا ہے۔ یہ قاعدہ اصول پر مبنی ہے کہ انسان اگرچہ مدعی ہو، پھر بھی وہ سچ بول سکتا ہے۔ اس قاعدے میں بنی نوع انسان کی عظمت ہوتی ہے، لیکن اُس زمانے کی اسلامی حکومت نے حضرت فاطمہؑ کے بیان کو شہادت میں نہ رکھا۔ کیونکہ اگر وہ شہادت میں رکھ لیتے تو نصابِ شہادت پورا ہو جاتا۔ ان کا یہ قاعدہ اصول پر مبنی تھا کہ انسان اگر اپنے حق میں بیان دے تو وہ کسی صورت میں قابلِ اعتبار ہو ہی نہیں سکتا، گویا جہاں ذاتی منفعت کا خیال درمیان میں آیا انسان ضرور جھوٹ بولے گا۔ دیکھا آپ نے بنی نوع انسان کی عزت کو کتنا گرا دیا۔

انھوں نے یہ کُلّیہ قائم کیا کہ اولاد کی گواہی اپنے والدین کے حق میں قابل قبول نہیں۔ اچھا یہی سہی۔ فدک گیا تو جانے دو۔ ہم آپ سے کہتے ہیں کہ اسی کُلّیے پر قائم رہو، کہیں تو جم جاؤ، کسی جگہ سے پیر نہ اُکھاڑو۔ کلیہ تو آپ نے قائم کر دیا۔ اب اس میں یہ دقّت آ پڑے گی کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے فضائل کی جتنی احادیث ہیں، ان میں سے اکثر کے راوی حضرت عائشہ اور حضرت عبداللہ بن عمر ہیں۔ حضرت ابوبکر کی امامت نماز دورانِ مرض رسولؐ کی تو واحد راویہ حضرت عائشہ ہیں۔ یہ بڑی دقّت ہے۔ یہ اس وقت حل ہو گی کہ جب یہ استثناء قائم کیا جائے کہ اگرچہ اس کُلّیہ سے اولادِ رسول مستثنیٰ

نہیں ہے، لیکن ان کے سقیفی خلیفہ کی اولاد مستثنیٰ ہے اور یہ استثناء تو قائم ہو ہی گیا، جب ان دونوں بزرگوں کی شہادت فضیلت اپنے اپنے باپ کے حق میں بلا عذر قبول کی جاتی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ عقل اور تعصب میں اتنی ہی مغائرت ہے کہ جتنی عقل و عشق میں حکماء بیان کرتے ہیں اور کیوں نہ ہو تعصب بھی تو جائز محبت ہی کا نام ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں کی عصمت کی شہادت دی۔ اگر صغر سنی یا اولاد ہونا مانعِ شہادت ہوتا تو خداوند تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ سے یہ شہادت نہ دلواتا اور یہودیوں کو بھی یہ نہ سوجھی کے یہ عذر اٹھاتے۔ جناب رسول اللہؐ نے اپنی رسالت کی شہادت بروز مباہلہ اپنی بیٹی اپنے داماد اور اپنے نواسوں سے دلوائی اور کسی نے نہ صغر سنی کا عذر اٹھایا اور نہ اولاد ہونے کا اور خداوند تعالیٰ نے بھی اس رشتہ داری و صغر سنی کو مانع شہادت نہ سمجھا۔ معلوم نہیں یہ دونوں عذر کس بنا پر اٹھائے گئے۔ قرآن اور حدیث سے تو ان عذرات کو مدد نہیں ملتی۔

۹۔ ہبہ سے انکار کرنا حضرت ابوبکر کے لیے جائز نہ تھا۔ اس سے تو ورثا کا آپس میں تعلق تھا۔ اس کو ہم مثال دے کر سمجھاتے ہیں۔ متوفی کے کئی ورثاء ہیں ان میں سے ایک وارث دعویٰ کرتا ہے کہ منجملہ جائیداد کے ایک باغ متوفی نے مجھے ہبہ کر کے دے دیا تھا۔ اس دعویٰ کا اثر محض ورثا پر پڑتا ہے، کسی شخص غیر پر نہیں پڑتا۔ جناب رسولؐ اللہ کے ورثا میں سے اُس وقت کسی وارث نے دعویٰ فاطمہؑ کی تردید نہیں کی بلکہ اس کے بعد بھی کبھی تردید نہیں کی دیگر ورثاء مدعا علیہ بھی نہ تھے، پھر حضرت ابوبکر کو ہبہ کی شہادت طلب کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر تحقیقات مطلوب تھیں تو دیگر ورثا کو طلب کر کے ان سے پوچھتے اگر وہ مان لیتے تو معاملہ ختم تھا۔

۱۰۔ اس کا یہ جواب درست نہ ہوگا کہ بطور جانشین رسولؐ کے حضرت ابوبکر بھی آنحضرتؐ کے ایک وارث تھے وہ اگر وارث تھے تو حکومت کے وارث تھے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ابھی تک بلکہ اس کے بہت عرصے تک فقہ اسلام میں حکومت کی ملکیت کا تخیل پیدا نہیں ہوا تھا۔ حکومت کی اپنی ملکیت کی کوئی اراضی یا جائیداد نہیں ہوتی تھی۔ خیبر کی اراضیات اُسی وقت آنحضرتؐ نے لوگوں میں تقسیم کر دی تھیں اور کوئی جائیداد ایسی نہ تھی کہ جو حکومت کے قبضہ میں ہو سکتی جو شئے حکومت کے قبضے میں آتی تھی فوراً مسلمانوں میں تقسیم کر دی جاتی تھی۔ لشکریوں کو تنخواہ دینے کا دستور ابھی نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کی ساری قوم ایک لشکر تصور ہوتا تھا غرض یہ کہ آنحضرتؐ کے وقت تک حکومت کی کوئی جائیداد نہ تھی، جس کے وارث حضرت ابوبکر ہوتے حدیث لانورث کا پیش کرنا ہی ثابت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر نے جائیداد متنازع کو جناب رسول اللہؐ کی ذاتی ملکیت تو مان لیا صرف یہ عذر پیش کیا کہ یہ ورثہ کے قانون میں نہیں آتا۔ اگر رسول اللہؐ عام حاکم ہوتے پیغمبرؐ نہ ہوتے تو یہ اراضیات ورثے میں تقسیم ہو جاتیں۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ حکومت کی نہ تھیں اور ابوبکر ان کے وارث نہ تھے۔

۱۱۔ حدیث لانورث کی رو سے جائیداد متنازع مسلمانوں کو صدقہ ہوئی تو پھر حضرت ابوبکر نے کیوں دیگر صدقات کی طرح اس کو مسلمانوں میں نہ تقسیم کیا۔

۱۲۔ اب ہم اس لاوارث حدیث پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ حدیث اس طرح بیان کی جاتی ہے:

نحن معاشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ماترکناہ صَدَقَةٌ

یعنی ہم گروہ انبیاؑء نہ کسی سے میراث لیتے ہیں اور نہ ہم سے کوئی میراث پاتا

سیاست عمریہ کا یہ ایک گُر ہو تو ہو انبیائے سابقہ کی تاریخ میں تو ایسی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اگر باپ سے پایا ورثہ پیغمبر رکھ بھی لے تو پھر یہ ہوگا کہ اس نے تو باپ اور مرحوم بھائیوں کا اور دیگر ورثہ کا حصّہ لے لیا۔ جب خود مرا تو اس کا سارا مال ومتاع اس کی امت لے گئی۔ اس کے بھائی بیوہ بچے اور دیگر ورثہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور اگر بچے کمسن ہیں تو بیوہ اور بچوں کی خبر گیری بھی اس کے باقی ماندہ بھائیوں پر پڑی۔ پیغمبر کا ورثہ تو ملا نہیں پیغمبر کی بیوہ اور بچوں کو پالنا پڑا۔ یہ تو ظلم صریح ہے۔ اگر وہ پرورش نہ کریں تو پیغمبر کے بیوی بچوں کو باہر سڑک پر نکال دو۔ گھر بھی تو صدقہ بن کر امّت کے پاس چلا گیا۔ اب ان بچوں کے لیے کوئی چارہ کار نہیں سوائے اس کے کہ گلی کوچوں میں بھیک مانگتے پھریں۔ پیغمبر کی آل کو اس طرح ذلیل کرنا خداوند تعالیٰ کی مشیت میں تو ہو نہیں سکتا، ہاں کارکنانِ سقیفہ بنی سعدہ کی سیاست کا تو ایک جزو ہو تو ہو اور لطف یہ ہے کہ امّت پر کہیں فرض عائد ہو جاتا ہے تو اسے کون پورا کرتا یا پیغمبر کے لیے یہ حکم ہوتا کہ (معاذ اللہ) خبردار عورت کے پاس نہ جانا، تمھارے بیوی بچے حرام ہیں۔ قانون کے لیے جامعیت پہلی شرط ہے، یعنی یہ کہ وہ ہر صورت حالات پر حاوی ہو سکے۔ اس لاوارث حدیث کا یہ نتیجہ نکلا کہ پیغمبرؐ کے مرنے پر امّت اُس کے مال ومتاع کی تو مالک ہو جائے مگر امّت پر یہ فرض نہیں کہ اُس کے بچوں کی پرورش کرے۔ بیوی بچے بھی کافی ہوں گے، لونڈیوں کی بھی اجازت ہوتی ہے، جب وہ وفات پاتا ہے دس، پندرہ بچے تو ہوں گے کچھ صغیر سن کچھ قریبِ بلوغت شام کو یہ اللہ کے بندے اپنے تئیں سڑک پر پڑا ہوا پاتے ہیں، گھر لٹا ہوا روٹیوں سے محتاج امّت کی جان ومال اور پیغمبرؐ کی روح کو دعا دیتے ہوئے صبح کرتے ہیں، کسی نے آ کے روٹی دی تو جان بچے گی ورنہ موت تو سامنے کھڑی ہی ہے۔ یہ ہے

اس حدیث کا نتیجہ۔ یہ بھی نہیں پتا چلتا کہ یہ حدیث جائیداد منقولہ و غیر منقولہ دونوں کے لیے ہے یا صرف جائیداد غیر منقولہ کے لیے۔ کوئی وجہ اس فرق کی نہیں معلوم ہوتی۔ اگر منقولہ کے لیے ہے تو جائیدادِ منقولہ حضرت ابوبکر نے کسی سے نہیں لی۔

ب) خلافِ قرآن

قرآن کے احکام وراثت کے یہ حدیث قطعی خلاف ہے۔ کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ انبیاؑء کے ورثا کیوں محروم ولاوارث کیے جائیں۔ اس کی وجہ نہ حدیثِ متنازع میں بیان ہوئی اور نہ عقل میں آتی ہے۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ آیہ شریف وآت ذالقربیٰ حقہ، کی تفسیر میں جملہ مفسرین متفق ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو جناب رسول اللہؐ نے حضرت فاطمہؑ کو بلایا اور فدک ان کو ہبہ کر دیا۔ اگر آنحضرتؐ کی جائیداد میں اولاد کا حق نہ ہوتا تو یہاں حقہ کا لفظ نہ استعمال ہوتا۔ انبیاؑء اُس شریعت کے کیوں نہ پابند ہوں جس کی تلقین وہ امت کو کرتے ہیں بہت سے ایسے انبیاؑء ہوئے ہیں جو خود اپنی شریعت نہیں لائے بلکہ اپنے سے پہلے کے انبیاؑء کی شریعت کے پابند تھے۔ جب وہ اپنی شریعت نہیں لائے تو ان سے پہلے کی شریعت کی پابندی سے ان کو کس نے نکالا۔ ممکن ہے کہ یہ غور کیا جائے کہ جناب رسولؐ اللہ کی شریعت میں چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں اور آنحضرتؐ نے بیویاں چھوڑیں، ہبہ شریعت کے ایک حکم سے آزاد ہیں تو دوسرے حکم سے بھی آزاد ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ بحث اپنے مقصد تک نہیں پہنچی وجوہات ذیل میں ملاحظہ ہوں:

ا۔ غالباً یہ ثابت کرنا مشکل ہوگا کہ چار سے زائد بیویاں کرنے کی صریحاً ممانعت ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ایسی شرط لگادی گئی ہے کہ دو بیویاں رکھنی بھی مشکل ہو جاتی ہیں۔ ہر

ایک کے ساتھ قطعی عدل کرنے کی ایسی شرط ہے کہ جس کو بہت ہی کم آدمی پورا کر سکتے ہیں۔ رسولؐ و آئمہؑ کے علاوہ شاید ہی کوئی ہو جو پورا کر سکے۔

۲۔ جناب رسول اللہ کا ہر ایک قبیلہ دشمن تھا۔ شادی ہی ایک ایسا ذریعہ تھا کہ ان کی ہمدردی حاصل ہو سکتی تھی۔ بیٹی دینے میں اور بیٹی لینے میں بہت فرق ہے۔ اسلام کا مفاد اس میں تھا کہ ہر ایک قبیلے کو آنحضرتؐ سے اُنسیت ہو۔ یہ دیکھنے کی بات ہے کہ آنحضرتؐ نے حُسن و جمال کی وجہ سے کوئی شادی نہیں کی۔ ہر ایک شادی میں کوئی نہ کوئی مصلحت تھی۔ کتاب کی طوالت کی وجہ سے ہم ان مصالح کا یہاں ذکر نہیں کر رہے۔

۳۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکمِ تعدادِ ازواج کو رسولِ اکرمؐ کے لیے نرم کرنے میں کسی پر ظلم نہیں ہوا اور ورثے کی قیود سے پیغمبرؐ کو نکالنے میں بہت سے آدمیوں پر ظلم ہوتا ہے اور خدا کو ظلم کسی صورت میں بھی پسند نہیں۔

ج) تَبَیّن مواقع

طریقہ یہ ہے کہ جب کسی حدیث کو بیان کیا جاتا ہے، تو اس کے موقع کا ضرور ذکر کرتے ہیں کہ فلاں واقعات تھے فلاں موقع تھا، جب یہ حدیث بیان کی گئی۔ حدیثِ منزلت حدیثِ غدیر حدیثِ ولایت حدیثِ رایت اور حدیثِ ثقلین وغیرہ کے واقعات و مواقع بہت فصاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، لیکن حضرت ابوبکر نے یہ نہیں کہا کہ کس موقع پر کن واقعات کے اندر یہ لاوارث حدیث بیان کی گئی اور اس کا باعث کیا تھا۔ اس کا مضمون تو یہ بتاتا ہے کہ اس حدیث کو مرض الموت کے وقت ارشاد فرمانا چاہیے تھا، لیکن مرض الموت کے دوران کی احادیث میں کہیں اس کا پتا نہیں چلتا۔ خیبر و فدک کے حصول کا دوسرا موقع ہو سکتا تھا، لیکن اُس وقت بھی یہ حدیث بیان نہیں کی گئی، ایک

تیسرا موقع بھی تھا جب آیاتِ وراثت نازل ہوئیں تو ان کی تفسیر میں آپ کو بتانا چاہیے تھا کہ ہم پیغمبران ان آیات کے دائرے سے باہر ہیں، تمام کتب و تفاسیر کو دیکھ ڈالو۔ اس لاوارث حدیث کا پتا ان آیات کی تفسیر و توضیح کے سلسلے میں بھی نہیں ملتا۔ جب ان موزوں موقعوں پر اس حدیث کا پتا نہیں چلتا تو پھر یہ بتانا نہایت ضروری ہو گیا کہ کسی ناموزوں وقت پر اس کو بیان کیا گیا تھا۔ امر واقع تو یہ ہے کہ جناب فاطمہؑ نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا تھا کہ حواس ہی اُڑ گئے۔ کچھ نہ سُوجھی کہ کیا کریں، جلدی میں منہ سے جو نکل گیا سو نکل گیا کچھ تفصیلات ہوتیں تو بیان کرتے۔

د) فکرِ ازمضمون

جناب رسول اللہؐ کی احادیث کا مطالعہ کرنے والے پر یہ اور اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ آپ ایک مضمون کو مختلف اوقات میں بیان فرمایا کرتے تھے اور آپؐ کی احادیث ایک دوسرے کی تصدیق و توثیق کرنے والی ہوتی تھیں، مثلاً جناب امیرؑ کی فضیلت کی احادیث اُن سے محبت کرنے کی تاکید کی احادیث بہت سی ہیں اور بہت سے طریقوں سے بیان کی گئی ہیں۔ صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے کسی باب یا فصل کو اٹھا کر دیکھ لیں، ہر ایک میں ایک ہی ضروری مضمون پر مختلف عنوان کی احادیث پائیں گے، لیکن یہ حدیث لانورث ہے کہ اس مضمون کی دوسری حدیث نہیں ملتی اور اس کی توثیق کسی دوسری حدیث سے نہیں ہوتی۔

ہ) تردیدِ حدیث

جناب فاطمہؑ اور حضرت علیؑ نے مفروضہ حدیث کی صریحاً تردید کی اور فرما دیا کہ یہ کلامِ رسولؐ نہیں ہے۔

و) معارضہ

اس لاوارث حدیث کا معارضہ آنحضرتؐ کی ساری عمر کے طرزِ عمل سے اور آپؐ کے دیگر کلام سے ہے۔ اگر آنحضرتؐ امت کو اپنی جائیداد کا وارث سمجھتے تھے تو پھر اس میں سے نہ تو ہبہ کرتے اور نہ بنو ہاشم کو دیتے اور اپنی اولاد کو جو اپنے تئیں آنحضرتؐ کے وارث سمجھتے تھے کہہ دیتے کہ تم میرے وارث نہیں ہو۔ میں تو (نعوذ باللہ) بقول کفار ابتر ہوں لاوارث ہوں، میرے مرنے کے بعد میری امت آئے گی اور میری جائیداد کی فہرست بنا کر لے جائے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس لاوارث حدیث کا تعلق جناب ابوبکر کے دماغ میں کفار کے اس طعنے سے تھا کہ محمدؐ تو (نعوذ باللہ) ابتر ہیں۔ یہ کفار نے اُس وقت کہا تھا کہ جب حضرت ابراہیمؑ فرزند رسولؐ کا انتقال ہوا تھا۔ حضرت ابوبکر نے کہا کہ واقعی درست ہے، ان کی وراثت اب امّت لے گی۔ ابتر تو کہہ نہ سکے، اس کے معانی کو اس طرح دُہرایا حضرت علیؑ و حضرت فاطمہؑ نے صاف کہہ دیا کہ جناب رسولؐ اللہ نے اس حدیث کا ذکر ہم سے کبھی نہیں کیا یہ صاف و صریح جھوٹ ہے کہ یہ حدیث کلام رسولؐ میں ہے۔ اگر آنحضرتؐ نے یہ کہا ہوتا تو آنحضرت ضرور اس کا ذکر اپنے وارثوں سے کرتے۔

ح) تعداد و ثقہ رواۃ

اس حدیث کے راوی سوائے حضرت ابوبکر کے اور کوئی نہیں ہیں اور آپ کا ذاتی مفاد آپ کی سیاستِ ملکی اور اپنی بات کا پاس، کیونکہ فدک پر پہلے ہی قبضہ کر لیا تھا سب اس امر کے متقاضی تھے کہ جناب فاطمہؑ کو فدک واپس نہ کیا جائے۔

ط) سابق انبیاءؑ کی نظائر

قرآن کریم ہی سے ان نظائر کا پتا چلتا ہے:

و ورث سلیمان داؤد نمل

یعنی ورثہ پایا سلیمانؑ نے اپنے باپ داؤدؑ کا۔

حضرت زکریاؑ نے بارگاہ الٰہی میں اس طرح مناجات کی:

قَوْلُهُ تَعَالٰی مُخْبِراً عَنْ زَكَرِيَّا وَ اِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَّ مِنْ وَّرَآءِ وَ كَانَتِ الْمَرَأتِي عَاقِراً فَهَبْ لِي مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ

ترجمہ: میں اپنے ان وارثانِ بازگشت سے اندیشہ رکھتا ہوں جو میرے مرنے کے بعد میرے پیچھے رہیں گے، میری زوجہ بانجھ ہے، الٰہی تُو اپنی بارگاہ سے مجھے وارث عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوبؑ کا وارث بنے۔

(سورۂ مریم آیت ۱۹)

آنحضرتؐ سے پہلے تمام انبیاؑء ورثہ پاتے آئے ہیں اور اُن سے ورثہ دوسروں نے پایا ظاہر ہے کہ ان اوپر کی دونوں آیتوں میں ورثہ سے مال و دولت کا ترکہ مراد ہے، علمِ نبوّت اس سے مراد نہیں ہوسکتا۔ اگر اس سے علم نبوت مراد ہوتا۔ تو پھر حضرت زکریاؑ کا ڈر بے معنی تھا، ان کے اقربا زبردستی علم نبوت نہیں لے سکتے تھے۔ نبوت اور علم لدنی تو عطائے ربانی ہے۔ خود جناب رسالت مآبؐ نے اپنے والد کا ترکہ حاصل کیا تھا۔

(دیکھو سیرۃ النبیؐ شبلی نعمانی جلد اوّل صفحہ ۱۳۲)

یہ بحث درست نہ ہوگی کہ جب آنحضرتؐ نے ورثہ لیا تھا اُس وقت نبیؐ نہ تھے ہم پہلے آنحضرتؐ اور حضرت عیسیٰؑ کی مثالوں اور دیگر دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ نبیؐ اپنی مہد سے لحد تک نبی ہی ہوتا ہے وہ پیدا ہی نبی ہوتا ہے۔

حضرت فاطمہؑ کے اس دعوے کی تردید میں حضرت ابوبکر نے چار عذر پیش کیے تھے:

اوّل تو یہ کہ دعویٰ ہبہ ثابت نہیں۔

دوم یہ کہ پیغمبرؑ کی اولا دمحروم الوارث ہوتی ہے۔

سوم یہ کہ میں اس طریقے کو جو رسولؐ اللہ کے زمانے میں رائج تھا، ہرگز نہ بدلوں گا، کون سی زمین مجھے اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھے اپنے سائے تلے لے گا اگر میں آنحضرتؐ کے طرز عمل میں تبدیلی کر دوں۔

چوتھا عذر یہ کہ حضرت ابوبکر کے وکلاء عذر کرتے ہیں کہ اولاد کی شہادت اپنے والدین کے حق میں نا قابل قبول ہوتی ہے۔

عذرات اوّل و دوم و چہارم کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں، تیسرا عذر انہی عذرات کے تابع ہے۔ اگر ہبہ ثابت ہے اور اولا د رسولؐ وراثت سے محروم نہیں ہے تو پھر حضرت ابوبکر کو ان اراضیات وصدقات پر کوئی دسترس ہی حاصل نہ تھی اور نہ وہ اس کا انتظام کرنے کے مجاز تھے، لہٰذا حضرت ابوبکر کے لیے طریقہ رسولؐ کو بدلنے یا نہ بدلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر ہم اس عذر کو دیگر عذرات سے علیحدہ بھی کر لیں تب بھی حکومت کو کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ چند صدقات میں سے جب کچھ بچ رہتا تھا تو آنحضرتؐ ان بقیہ کو بنو ہاشم کے غرباء ومساکین میں تقسیم کر دیتے تھے۔ فدک کے علاوہ دیگر ذرائع آمدنی بھی تو جناب رسولؐ اللہ کے پاس تھے۔ غربا و مساکین کی پرورش ان دیگر ذرائع سے ہوتی تھی۔ یہ مطلقاً ثابت نہیں کہ فدک کے ہبہ کے بعد فدک کی آمدنی پر جناب رسولؐ اللہ نے تصرف کیا ہو دیگر صدقات کا دعویٰ جناب سیّدہؑ کا بذریعہ میراث کے تھا۔ جب تک آنحضرتؐ خود حیات رہے، اُن کو حق حاصل تھا کہ اپنی اولاد کو دیں، یا اپنی بیویوں کو دیں جو بچ جائے اس کو جس طرح جی چاہے خرچ

کریں۔ مرنے کے بعد تصرف ورثا کا ہوتا ہے حاکم کو جائز نہیں کہ تصرف کرے یا اس کو ضبط کرے حکومت کی وہ اراضی نہ تھی، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

اب رہ گیا یہ عذر کے رسولؐ خدا کے عمل کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے ورنہ حضرت ابوبکر پر کوئی آسمان سایہ نہ کرے گا اور کوئی زمین نہ اٹھائے گی۔ یہ تو دفع الوقتی کی گفتگو تھی جیسی کہ حسبنا کتاب اللہ، اوّل یہ کہ نظیر قائم نہیں ہوتی۔ یہ اراضی آنحضرتؐ کی ملکیت تھی اور ابوبکر کی ملکیت نہ تھی لٰہذا طرز عمل ایک سا کیوں کر ہو سکتا تھا دوسرے یہ کہ ارشاد واقعیت سے بالکل مختلف تھا حضرت ابوبکر کے اعتقاد کے بموجب تو آنحضرتؐ نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا تھا۔ انھوں نے کیوں حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا اور آنحضرتؐ کا طریقہ عمل بدل دیا۔ خمس کو لیجیے آنحضرتؐ خمس کو بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب میں تقسیم کرتے تھے اور بنو عبدالشمّس اور بنو نوفل کو بالکل حصّہ نہیں دیتے تھے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر نے خمس تقسیم کر کے ایرے غیرے کو دے دیا لیکن قرابتداران رسولؐ کو نہیں دیا۔

(مسند احمد حنبل الجز الرابع صفحہ ۸۳ تفسیر ابن جریر طبری جلد ۱۰ ص ۶ نیل الاوطار شوکانی جلد ۱ ص ۲۸ الفاروق شبلی حصہ دوم صفحہ ۲۴۶)

علامہ شبلی فرماتے ہیں کہ حضرت عمر قرابت داران پیغمبرؐ کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اہلِ بیتؑ کو کبھی خمس میں حصہ نہیں دیا۔ آئمہ مجتہدین سے امام ابوحنیفہ بھی ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے۔ احادیث و روایات کے استقراء سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے، یہ ہے کہ ذوی القربیٰ میں سے آپؐ جناب رسولؐ اللہ صرف بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو حصہ دیتے تھے بنو نوفل و بنو عبدالشمّس حالاں کہ ذوی القربیٰ میں داخل تھے، لیکن آپؐ نے ان کو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔

(الفاروق حصّہ دوم صفحہ ۲۴۶، ۲۴۷)

آنحضرتؐ کے اس طرزِ عمل کو کیوں حضرت ابوبکر و عمر نے بدلا، وہ تو آسمان کے گرنے اور زمین کے پھٹنے سے ڈرتے تھے۔

اگر یہ لاوارث حدیث درست تھی تو حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے وہ حجرے اور مکانات کیوں نہیں لے لیے گئے جو اُن کو آنحضرتؐ سے وراثت میں ملے تھے یہ امر ثابت شدہ ہے کہ یہ حجرے و مکان آنحضرتؐ کی ملک تھے اور ازواج نبیؐ کو ورثہ میں آنحضرتؐ سے پہنچے تھے۔

(سیّد نورالدین سمہودی وفاء الوفا باخبر دار المصطفیٰ الجزالاوّل باب الرابع فصل تاسع صفحہ ۲۲۵)

اب ذرا مولوی شبلی کی عبارت پر بھی نظر ڈالتے چلیں، دیکھیے کس چالاکی اور ہوشیاری سے جناب رسولؐ پر (نعوذ باللہ) نکتہ چینی کرتے ہیں اور حضرت عمر کے فعل کی حمایت کرتے ہیں۔ پہلے تو یہ کہا کہ حضرت عمر اور امام ابوحنیفہ ذوی القربیٰ کے خمس کے قائل نہ تھے، پھر رسول اللہؐ کا طرزِ عمل بتایا کہ جناب رسول اللہؐ ذوی القربیٰ میں سے صرف بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو دیتے تھے۔ بنونوفل اور بنو عبدالشمس کو نہیں دیتے تھے۔ گویا آیت کی پوری تعمیل تو (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ بھی نہیں کرتے تھے، لیکن یہ نکتہ چینی بالکل غلط ہے۔ قربیٰ نزدیک ترین رشتے داروں کو کہتے ہیں۔ بنو ہاشم تک تو وہ ہوسکتے ہیں، بنو عبدالشمس اور بنونوفل کا دوسرا معاملہ ہوگیا۔ یوں تو پھر بنو عدی کو بھی دینا چاہیے تھا اور پھر سارے قریش ہی رشتے دار تھے۔

حضرت فاطمہؑ و حضرت علیؑ نے حضرت ابوبکر کے فیصلے کو غلط مبنی بر ظلم سمجھا۔

حضرت فاطمہؑ اتنی ناراض ہوئیں کہ پھر حضرت ابوبکر و حضرت عمر سے عمر بھر کلام نہیں کیا۔ صاف و صریحاً کہہ دیا کہ تم دونوں نے مجھے ناراض کردیا ہے اور میں اپنے والدِ

بزرگوار سے تمہاری شکایت کروں گی۔ حضرات شیخین ان کو راضی کرنے گئے تو ان کی طرف سے منہ موڑ لیا اور کلام نہ کیا۔ جو لوگ حضرت محمد مصطفیٰؐ کو رسولِ برحقؐ سمجھتے ہیں اور آپؐ کے قول کو سچا جانتے ہیں، جب اُن کو یہ یاد آئے گا کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ ''فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا اور جس نے مجھے ناراض کیا وہ خدا کے غضب کا مستوجب ہوا۔'' تو پھر وہ لوگ حضرت ابوبکر کے اس فعل سے لرزہ براندام ہو جائیں گے۔

غور تو کرو، خدا کو جان دینی ہے انصاف کو ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ حضرت ابوبکر اس حکومت پر قابض تھے جو جناب فاطمہؑ کے والد بزرگوارؐ کی قائم کردہ اور ان کے شوہر کی تلوار سے حاصل شدہ تھی۔ اگر یہ دونوں نہ ہوتے تو حضرت ابوبکر کس حکومت پر قابض ہوتے۔ علاوہ ازیں جناب فاطمہؑ کے والد بزرگوارؐ ان کے نبی و محسنِ اعظم تھے۔ کیا اُن کے احسانوں کا یہی بدلہ تھا؟ اور یہی اجرِ رسالت تھا جو امّت نے اُن کی اکلوتی پیاری بیٹی کو دیا۔ کتنا جناب رسول اللہؐ کے روح کو صدمہ ہوا ہوگا جب جناب فاطمہؑ فریاد کرتی ہوں گی۔ جس دل نے اپنے چچا عباسؑ کا چند گھنٹوں کا کراہنا برداشت نہ کیا، وہ اپنی پیاری بیٹی کی فریاد و آہ وزاری کس رنج کے ساتھ سنتا ہوگا۔ جناب فاطمہ ان سےؑ اتنی ناراض ہوئیں کہ عمر بھر کلام نہ کیا۔ سامنے آئے تو منہ موڑ لیا اپنی ناراضگی صاف ان سے بیان کر دی اور مرتے وقت وصیت کر دی کہ یہ دونوں اور عائشہ میرے جنازے پر نہ آئیں۔

(صحیح بخاری المغازی باب غزوہ خیبر مطبوعہ مصر الجز الثالث صفحہ ۳۸، طبقات ابن سعد الجز الثامن ذکر فاطمہؑ صفحہ ۱۹ مستدرک علی الصحیحین الجز الثالث ذکر فاطمہؑ صفحہ ۱۶۲، الاستعیاب ابن عبد البر الجز الثانی صفحہ ۷۷۲ حسین دیار بکری تاریخ خمس الجز الثانی صفحہ ۳۱۳)

مسلمانوں میں سے جو منصف مزاج ہیں، وہ باوجود اپنے مذہب کی رکاوٹ کے قضیۂ فدک میں حضرت فاطمہؑ کو حق بجانب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر نے ان پر ظلم کیا۔ چنانچہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اپنی اشعت اللمعات میں لکھتے ہیں:

مشکل ترین قضا یا قضیه فاطمهؑ زهراؑ است زیرا که اگر بگوئیم که او جاهل بودبا میں سنّت یعنی حدیث ہے کہ ابوبکر نقل کرده بعید است از فاطمهؑ و اگر الزام کنیم شاید اتفاق فیفتا داورا بسماع این حدیث از آن حضرتؐ مشکل هے شود که بعد از استمل ازا بی بکر و شهادت سائر صحابه بران چرا قول نه کرده در غضب آمد و اگر غضب او پیش از سماع حدیث بود چرا برنگشت از غضب تاایں امتداد کشید و تازنده بود معاجرت کرده ابوبکر را

(اشعہ اللمعات شرح مشکوۃ مطبوعہ نولکشور جلد نمبر ۳ صفحہ ۴۲۳)

ترجمہ: تمام قضیوں سے زیادہ مشکل جناب فاطمہؑ زہراؑ کا قضیۂ فدک ہے، کیوں کہ اگر ہم کہیں کہ جناب فاطمہؑ اس سنّت یعنی حدیث سے (نعوذ باللہ) ناواقف تھیں، جو ابوبکر نے وراثت کے بارے میں فرمائی تو یہ بعید ہے جناب فاطمہؑ سے اور اگر ہم فرض کریں کہ شاید یہ حدیث سننے کا اتفاق نہ ہوا ہوگا تو جب حضرت ابوبکر نے بیان کر دی اور چند صحابہ نے ہاں میں ہاں بھی ملا دی تو پھر انھوں نے کیوں نہ قبول کر لیا اور غضب ناک ہو گئیں اور اگر غصّہ آپؑ کا اس حدیث سے پہلے تھا تو اس کے سننے کے بعد کیوں نہ آپؑ کا غصہ فرو ہو گیا یہاں تک کہ جب تک زندہ رہیں ابوبکر سے کلام نہیں کیا۔

مولوی صدر الدین حنفی اپنی کتاب روائح المصطفیٰؐ میں جناب فاطمہؑ کا حال لکھتے ہوئے

فرماتے ہیں:

بعد از وفات پیغمبرؐ واقات بسیار گز مشتبه مثل معامله فدك و سقط شدن حمل اور تهدید نمودن عمر بن خطاب بنی هاشم را که درخانه زهراؑ احتماع نومده بود نروناله و شیون نمودن حضرت زهراؑ پیش انصار طوبے دار دو ذکرش ناله کردن اولیٰ نزهت وصیت نمودن حضرت زهراؑ کے هیچ کس برجنازه روحاضر نشود دلیل صریح است برآں کے حضرت زهراؑ آزرده و ملول از دنیا رفت اکنوں تاویل هرچه خواهند کنند و مرچیه برائے پیغمبر انشاء نموده یك بیت روز اول آں قصیده ایں است:

صبت علی مصائب ولو انها

صبت علی الایام صرن لیا لیا

ترجمہ: بعد از رحلت رسولؐ بہت سے ایسے واقعات ہوئے، مثلاً معاملہ ٔ فدک حضرت زہراؑ کا حمل ساقط ہونا عمر بن خطاب کا بنو ہاشم کو ڈرانا و دھمکانا جو خانۂ فاطمہؑ زہرا میں جمع ہوئے تھے، حضرت زہراؑ کا انصار کے مجمع میں نالہ اور شیون کرنا جو بہت طوالت رکھتے ہیں اور جن کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ حضرت زہراؑ کا اپنی وفات کے وقت وصیت کرنا کہ کوئی ان کے جنازے پر نہ آئے صاف اور صریح دلیل ہے اس امر کی کہ حضرتِ فاطمہؑ دنیا سے آزردہ وناراض گئیں۔ اب جو چاہے اس کی تاویل کریں، حضرت زہراؑ نے آنحضرتؐ کے لیے ایک مرثیہ کہا تھا جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

ترجمہ: ''اے بابا جان! میرے اوپر ایسی مصیبتیں پڑی ہیں کہ اگر وہ روز ہائے روشن پر پڑتیں تو مثل رات کے تاریک ہو جاتے''۔

شاہ عبدالحق اور مولوی صدرالدین ہی پر کیا منحصر ہے، اپنے پرائے جس نے اس واقعے کو سنا تو دانتوں انگلیاں دے لیں کہ ایسے بھی غلط فیصلے ہوا کرتے ہیں۔ مامون الرشید نے جب یہ واقعہ سنا حالات معلوم کیے تو اس نتیجے پر پہنچا کہ حضرت ابوبکر نے فدک چھین لینے اور واپس نہ کرنے میں غلطی کی چنانچہ اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ فدک بنی فاطمہؑ کو واپس کر دیا جائے۔ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں اس فرمان کو نقل کیا ہے اور کتاب البلاغ المبین حصہ دوم میں بھی ہے ہم یہاں صرف اس کا ترجمہ درج کرتے ہیں۔ جب ۲۱۰ھ ہوا تو امیر المومنین مامون الرشید ابنِ ہارون نے حکم دیا کہ فدک اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو دے دیا جائے۔ یہ حکم نامہ اس نے اپنے عاملِ مدینہ قثم بن جعفر کو لکھا: امابعد امیر المومنین کا اپنی اس حیثیت کے بموجب جو اسے دین الٰہیہ میں حاصل ہے اور بطور خلیفہ و جانشین و قرابت دار رسول اللہؐ کے یہ فرض ہے کہ جناب رسولؐ خدا کے طریقہ پر عمل کرے اور ان کے احکام کو جاری کرے اور جو شے یا صدقہ رسولؐ خدا نے کسی کو عطا کیا ہے امیر المومنین بھی وہ شے یا صدقہ اس شخص کو دیدے۔ امیر المومنین کی یہ خاص خواہش ہے کہ وہ کام کرے جس سے رضائے خداوندی حاصل ہو۔ بہ تحقیق جناب رسولؐ اللہ نے اپنی دختر فاطمہؑ کو فدک ہبہ کیا تھا اور بطور ملکیت دے دیا تھا اور یہ ایک ایسا صاف وصریح واقعہ ہے کہ جس میں جناب رسولؐ اللہ کے رشتے داروں میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ پس امیر المومنین اس کو حق سمجھتے ہیں کہ فدک جناب فاطمہؑ کے وارثوں کو واپس دے دیں تا کہ خداوند تعالیٰ کی صفتِ عدل و حق کو قائم کر کے اس کا تقرب حاصل کریں اور جناب رسول خداؐ کے احکام کو جاری کر کے ان سے سرخروئی حاصل کریں۔ لہٰذا امیر المومنین نے حکم دیا ہے کہ یہ واپسی فدک

رجسٹروں میں لکھی جائے اور یہ احکام تمام عمال کے پاس بھیج دیے جائیں۔ جب سے جناب رسول اللہؐ نے رحلت فرمائی ہے، اب تک یہ رسم رہی ہے کہ حج کے مبارک موقع پر تمام لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ جس کسی کو جناب رسولؐ اللہ نے کچھ صدقہ دیا ہے یا ہبہ کیا ہے وہ آ کے بیان کرے اور اُس کا قول قبول کیا جاتا ہے اس صورت میں جناب فاطمہؑ زیادہ حقدار ہیں کہ ان کا قول زیادہ ثقہ ہے۔ ہبہ فدک منجانب رسولؐ اللہ قبول کیا جائے۔ بتحقیق کہ امیر المومنین نے اپنے غلام مبارک طبری کو حکم دیا ہے کہ فدک حضرت فاطمہؑ کے وارثوں کو دے دے۔ مع اس کے تمام حدود و حقوق اور پیداوار اور غلاموں کے واپس دے دیے۔ محمد بن یحییٰ بن حسین بن زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام اور محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب علیہم السلام کو دے دیے۔ ان دونوں کو امیر المومنین نے اس اراضی کے مالکان یعنی ورثاء جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے ایجنٹ و کارکن مقرر کیا ہے، پس تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ امیر المومنین کی رائے ہے اور یہ وہ ہے جو خداوند تعالیٰ کے طرف سے تمہیں حکم ہوا ہے تا کہ خدا اور اُس کے رسولؐ کی رضا حاصل کی جائے۔ جو تمہارے ماتحت ہیں، ان کو بھی اس سے آگاہ کر دو۔ محمد بن یحییٰ اور محمد بن عبداللہؑ کے ساتھ بھی وہی عمل کرو جو اس سے پہلے امیر المومنین کے کارکن مبارک طبری کے ساتھ کیا کرتے تھے۔

(مورخہ چہارشنبہ ذیقعدہ ۲۱۰ھ فتوح البلدان صفحہ ۴۶۔۴۷)

اس مضمون کو ہم قرآن کریم کی اس آیت پر ختم کرتے ہیں:

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون۔

ترجمہ: ''اور تم مت جھکو ان لوگوں کی طرف جنھوں نے ظلم کیے ہیں، ورنہ تم کو جہنم کی آگ لپیٹ میں لے لے گی اور تمھارا کوئی دوست نہ ہوگا اور تمھاری مدد نہیں کی جائے گی''۔

جناب فاطمہؑ زہرا کے مصائب و غموم و ہموم تحریر نہیں کیے جا سکتے۔ رحلتِ رسالت مآبؐ کے بعد جناب فاطمہؑ الزہرا صلوات اللہ علیہا کو اپنے پدر بزرگوارؐ کے وصال کا اتنا رنج ہوا کہ جس کی کوئی حد و انتہا نہیں معلوم ہوتی۔ اس کی دو وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ دو فطرتوں کو جو ایک دوسرے سے جاذبیت ہوتی ہے، وہ ان کے روحانی درجہ ارتقاء کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ جس کو آج کل کی زبان میں مقناطیسی جذب کہتے ہیں دوسرے یہ کہ جس لمحے آنحضرتؐ نے وصال فرمایا، اُس سے ہی امّت نے بجائے تسلّی و تشفی دینے کے جناب فاطمہؑ کے زخمی دل میں اپنے عمل و گفتگو کے نشتروں سے کچوکے دینے شروع کر دیے اگر امّت کی طرف سے آپ کو تسلی ملتی غم میں شرکت ہوتی آپ کی دلجوئی کی جاتی جس طرح آپ کا اعزاز اپنے پدر بزرگوار کے زمانے میں تھا، اُسی طرح قائم رکھا جاتا تو بہت حد تک آپ کے غم کی شدت و اثر میں کمی ہو جاتی، لیکن امّت تو اس پر تلی بیٹھی ہوئی معلوم ہوتی تھی کہ ہر ایک وہ طریقہ ایذا و ضرر رسائی کا استعمال کیا جائے، جس سے جناب فاطمہؑ اگر اپنے والد ماجد کی رحلت کا غم بھولنا بھی چاہیں یا اس میں کمی کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں۔ آپؑ کو آپؐ کے والد ماجد کا پُرسا دینا تو کُجا اُن کے جسد اطہر کو بے غسل و کفن چھوڑ کر امّت اپنے میں سے ایک حاکم مقرر کرنے چلی گئی۔ آپؑ کے شوہر جن کا حق ہر طرح سے خلافت پر تھا، نظر انداز کر دیے گئے۔ خلافت چھینی، فدک چھینا، گھر کو آگ لگانے آئے تو آپ کی ہر طرح سے تحقیر و توہین کی۔ یہ ہیں اس امّت کے

کارنامے اپنے رسولؐ کی دختر کے ساتھ، جس اُمّت کو ان کے پدر بزرگوارؐ نے خاک مذلت سے اٹھا کر یکلخت تختِ انسانیت پر بٹھا دیا تھا دین و دنیا کی راہ مستقیم دکھائی، ان کو انسان بنایا اور انسان بنا کر ایک قوم بنایا ان کے مخالفین کو مغلوب کیا ان کی مذموم رسموں کو دور کیا، آپس کے عناد و عداوت دور کر کے انہیں آپس میں محبت کے ساتھ مل جل کر رہنا سکھایا، غرض کہ انھوں نے آئے دن کے کچوکوں سے یہی نہیں کہ زخم کو مندمل نہ ہونے دیا بلکہ اس کو اور گہرا کیا، یہاں تک کہ مزید برداشت کی طاقت نہ رہی اور آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

شیعہ مورّخین کا کہنا ہے جب حضرت علیؑ کو گھر سے باہر نکالنے کے لیے آئے تو جناب فاطمہؑ زہرا نے دروازے پر آ کر اُن سے کہا: ''اے میرے بابا کی امّت ابھی تو میرے بابا کا کفن بھی پرانا نہیں ہوا۔ ابھی سے آپ لوگوں نے میرے اوپر مصیبتیں ڈھائی ہیں۔ انھوں نے جناب فاطمہؑ کی ایک نہ سُنی اور انھوں نے دروازے کو اس طرح زور سے گرایا کہ آپ کا حمل ساقط ہو گیا اور حضرت محسن کا انتقال ہوا اور اسی صدمہ سے آخر کار شہادت واقع ہوئی۔ لیکن دیگر مورّخین کہتے ہیں کہ نہیں یہ غلط ہے آپؑ نے اپنے والد کے غم میں گھل گھل کر جان دی۔ بہر صورت امّت کے صاحبانِ حل وعقد اس صورت میں بھی اپنی ذمّے داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ یہ اعتراض پھر بھی قائم رہ جاتا ہے کہ جب جانتے تھے کہ ہمارے محسن پیغمبرؐ کی اکلوتی بیٹی اپنے والدؐ کے غم میں گھل رہی ہے تو پھر انھوں نے اس غم کو بھلانے میں اور ان کی دلجوئی کرنے میں کیا کوشش کی اس کو زیادہ کیا کم تو نہیں کیا اور پھر ماجرا یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کیا سنّت رسول کی پیروی میں کیا۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ حسینؑ کو تو کربلا میں ان کے نانا کی تلوار نے

قتل کیا۔ کیا نرالی ہے یہ منطق جس نے اپنے ظلموں کو اپنے نبی کے سر تھوپا اس طرح وہی قوم بحث کرسکتی ہے جس کی گمراہی اس کی عقل سے زیادہ گہری ہے معلوم نہیں یہ بزرگوار کاغذ پر لکھ کر اسے دوبارہ ٹھنڈے دل سے پڑھتے بھی ہیں یا نہیں اگر پڑھتے ہیں پھر بھی انہیں کوئی نقص اپنی بحث میں نظر نہیں آتا تو دماغی امراض کے معالجین کے لیے اپنے ہنر کے آزمانے کا یہ اچھا موقع ہے علامہ ابن شہر آشوب مناقب میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کا قول نقل کرتے ہیں کہ ''جناب رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد کسی نے جناب فاطمہؑ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا یہاں تک کہ آپ نے رحلت فرمائی''۔

(کتاب مناقب آل ابی طالبؑ مجلد الرابع صفحہ ۲۵، سیرۃ النبویہ والآثار محمدیہ میں سید احمد زینی دحلان کہتے ہیں کہ جناب فاطمہؑ آنحضرتؐ کے بعد چھ ماہ تک زندہ رہیں اور اس عرصہ میں وہ ایک مرتبہ بھی نہیں ہنسیں سیرۃ النبویہ احمد ذہبی وجلان برحاشیہ سیرۃ حلبیہ الجز الثالث صفحہ ۳۹۳)

حلیۃ الاولیا میں ابونعیم حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی روایت نقل کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہؐ کی وفات کے بعد جناب فاطمہؑ کو کسی نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا اتنے عرصے میں صرف ایک مرتبہ مسکرائی تھیں اور آپ آنحضرتؐ کے بعد چھ مہینے زندہ رہیں۔

(حلیۃ الاولیاء طبقات الاصفیاء مطبوعہ بطبعۃ السعادۃ بجوار محافظہ مصر ۱۹۳۳ء جلد الثانی صفحہ ۴۳)

ابن شہر آشوب مناقب میں کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جناب فاطمہؑ ہمیشہ سر میں درد کی وجہ سے کپڑا باندھے رہتی تھیں ہر وقت روتی رہتی تھیں دم بدم آپ کو غش آتا تھا جسم زرد ونحیف ہوگیا تھا آپ اکثر اپنے دونوں بچوں حسنینؑ سے کہا کرتی تھیں کہاں ہیں تمھارے نانا جو تمھاری عزت کرتے تھے بار بار تم کو گود میں اٹھاتے تھے کہاں ہیں تمھارے نانا جو سب سے زیادہ تمھارے اوپر شفقت کیا کرتے تھے تم کو نہیں

چھوڑتے تھے کہ تم زمین پر چلو اب میں کبھی ان کو اس دروازے سے اندر آتے ہوئے نہ دیکھوں گی اور نہ تمھیں اپنے کندھوں پر سوار کرتے ہوئے ان کو دیکھوں گی۔

(کتاب مناقب مطبوعہ بمبئی مجلد الرابع صفحہ ۲۵)

آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت بلالؓ نے ارادہ کر لیا تھا کہ اب کسی کے لیے وہ اذان نہ کہیں گے ایک دن جناب فاطمہ زہراؑ نے خواہش ظاہر کی کہ اپنے والد کے مؤذن کی اذان سنیں اس کی خبر حضرت بلال کو پہنچی تو آپ نے اذان کہنی شروع کی جب انھوں نے اللہ اکبر اللہ اکبر کہا تو جناب فاطمہ الزہراؑ اپنے والد بزرگوارؐ اور ان کے زمانے کو یاد کر کے رونے لگیں اور جب حضرت بلالؓ نے کلمہ اشھد ان محمد الرسول اللہ کہا تو جناب فاطمہؑ نے ایک نعرہ لگایا اور منہ کے بل گر پڑیں اور آپ پر غشی طاری ہو گئی لوگوں نے بلالؓ سے کہا کہ بس اذان کو پورا کرو بنت رسولؐ اللہ نے دنیا سے مفارقت کی ان لوگوں کو گماں ہوا تھا کہ شاید آپ نے رحلت کی جب حضرت معصومہؑ کو افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اذان کو پورا کرو لیکن بلالؓ نے اذان کو پورا نہ کیا اور عرض کی کہ اے سردار زنانِ عالم مجھے ڈر ہے کہ جب آپؑ میری آواز سنیں گی تو آپ کو بہت رنج ہو گا پس جناب معصومہؑ نے ان کو معاف کیا حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جس قمیص میں میں نے جناب رسولؐ اللہ کو غسل دیا تھا اس کو دیکھنے کا اکثر جناب معصومہؑ اشتیاق ظاہر فرمایا کرتی تھیں اور جب وہ قمیص آپؑ کو دکھائی جاتی تھی تو آپ اس کو سونگھتی تھیں اور پھر غش طاری ہو جاتا تھا۔ آپ اپنے والد ماجد کے لیے اتنا روتی تھیں کہ اہل مدینہ کو اس گریہ و بکا سے ایذا ہوتی تھی۔ پس انھوں نے جناب معصومہؑ سے گزارش کی کہ آپؑ کی گریہ و بکا نے تو ہم کو بہت ایذا پہنچائی ہے، یہ سن کر آپ نے یہ معمول کر لیا تھا کہ قبرستان

شہدا کی طرف چلی جاتی تھیں اور وہاں دل کھول کر گریہ و بکا کرتی تھیں جناب امیر المومنین حضرت علیؑ نے جناب معصومہؑ کے لیے قبرستان بقیع میں ایک مکان بنایا تھا اور اس کا نام ''بیت الحزن'' رکھا تھا اور وہ اب تک باقی ہے۔

(کتاب سیرت فاطمۃ الزہراؑ آغا محمد سلطان مرزا دہلوی صفحہ ۱۲۵۵ اعیان الشیعہ للحسن الامین الآملی الجزالثانی صفحہ ۴۸۴)

ہشام بن الحکم کا تاریخی مناظرہ

''اصولِ کافی'' میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے دربار میں آپؑ کے شاگرد بیٹھے ہوئے تھے، جن میں حمران بن ایمن محمد بن اعین محمد بن نعمان ہشام بن سالم طیار اور دوسرے بہت سے شاگرد موجود تھے ان میں ہشام بن حکم بھی موجود تھے۔ اس وقت ہشام تمام شاگردوں میں سے سن و سال میں چھوٹے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہشام سے فرمایا! ہشام اپنا وہ مباحثہ تو سناؤ جو تم نے عمرو بن عبید بصری کے ساتھ کیا تھا ہشام نے عرض کیا آپ کا جلال لب کشائی سے مانع ہے اور آپ کی موجودگی میں کچھ عرض کرنے کے لائق نہیں ہوں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب میں تمھیں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کیا کرو۔ ہشام نے کہا، مولاؑ واقعہ یہ ہے کہ مجھے معلوم ہوا کہ عمرو بن عبید بصرہ کی ایک مسجد میں بیٹھا ہوا ہے اور مسائل پوچھنے والے لوگ اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ میں بھی اس مسجد میں چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ لوگوں کے جھرمٹ میں بیٹھا ہوا تھا اور چاروں طرف سے اس کے عقیدت مند اسے گھیرے ہوئے تھے میں صفوں کو چیرتا ہوا اس کی محفل کے ایک کنارے پر جا کر بیٹھ گیا کچھ دیر بعد میں نے اس سے کہا: اے محترم عالم! میں ایک

مسافر ہوں کیا میں بھی آپ سے کوئی مسئلہ پوچھ سکتا ہوں؟

عمرو بن عبید نے میری طرف دیکھا اور کہا: ہاں تمہیں مسئلہ پوچھنے کی اجازت ہے۔ (بعد کی گفتگو کو ہم مکالمہ کی شکل میں لکھتے ہیں):

ہشام: آپ کی آنکھیں ہیں؟

عمرو بن عبید: بیٹا یہ بھی کوئی سوال ہے میری آنکھیں تو تمھیں دکھائی دے رہی ہیں اس کے باوجود تم مجھ سے اس طرح کا بے مقصد سوال کیوں پوچھتے ہو؟

ہشام: مجھے ایسا ہی مسئلہ پوچھنا ہے؟

عمرو بن عبید: پوچھو اگرچہ تمھارا سوال حماقت پر مبنی ہے

ہشام: میں نے پوچھا تھا کہ آپ کی آنکھیں ہیں؟

عمرو بن عبید: جی ہاں میری آنکھیں ہیں۔

ہشام: آنکھوں سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں اس سے رنگ اور اجسام کو دیکھتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کی ناک ہے؟

عمرو بن عبید: جی ہاں۔

ہشام: آپ ناک سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں اس سے سونگھتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کا منہ ہے؟

عمرو بن عبید: جی ہاں۔

ہشام: آپ منہ سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں اس سے اشیا کا ذائقہ معلوم کرتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کے کان ہیں؟

عمرو بن عبید: جی ہاں میرے کان ہیں۔

ہشام: آپ کانوں سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: میں کانوں سے آوازیں سنتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کا دل ہے؟

عمرو بن عبید: جی ہاں میرا دل ہے۔

ہشام: آپ دل سے کیا کام لیتے ہیں؟

عمرو بن عبید: اعضاء و جوارح جو کچھ محسوس کرتے ہیں میں اس کے ذریعہ سے ان کی محسوسات میں تمیز کرتا ہوں۔

ہشام: کیا آپ کے اعضاء و جوارح دل سے بے نیاز ہیں؟

عمرو بن عبید: نہیں، ان کو دل کی ضرورت ہے۔

ہشام: جب آپ کے اعضاء و جوارح مکمل طور پر صحت مند ہیں تو آپ کو دل کی ضرورت کیوں ہے؟

عمرو بن عبید: بیٹا جب اعضا کو سونگھنے اور سننے میں کوئی اشتباہ ہوتا ہے تو وہ اسے دل کی طرف پلٹا دیتے ہیں دل فیصلہ کرتا ہے اور یقین اور شک میں امتیاز کرتا ہے۔

ہشام: اس کا مقصد تو یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اعضاء و جوارح کے شک کو دور کرنے کے لیے دل کو پیدا کیا ہے۔

عمرو بن عبید: جی ہاں ایسا ہی ہے۔

ہشام: دل کا وجود ضروری ہے ورنہ اعضاو جوارح کو یقین حاصل نہیں ہوگا؟

عمرو بن عبید: ہاں یہ سچ ہے۔

اس کے بعد ہشام نے اس سے کہا: اللہ تعالیٰ نے تیرے اعضاء کو بھی امام کے بغیر نہیں چھوڑا اور اس نے دل کو امام بنایا تا کہ صحیح و غلط کا فیصلہ ہو سکے اور شک دور ہو اور یقین حاصل ہو اب تیرا کیا خیال ہے کہ جس خدا نے ایک انسان کے اعضاء و جوارح کو امام کے بغیر نہیں رکھا تو کیا اس کے عدل کا یہی تقاضا ہے کہ اپنی پوری مخلوق کو امام کے بغیر رکھے اور وہ امام کے بغیر حیرت و شک میں سرگرداں رہے؟

جب عمرو بن عبید نے یہ گفتگو سنی تو وہ خاموش ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن سکا کچھ دیر بعد وہ میری طرف متوجہ ہوا اور مجھ سے کہا: خدارا مجھے بتاؤ کیا تم ہشام بن حکم تو نہیں ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا: کیا تم اس کے ہم نشین ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ اس نے کہا: تمھارا گھر کہاں ہے؟ میں نے کہا: میں کوفے کا رہائشی ہوں۔ اس نے کہا: اگر تم کوفہ کے رہائشی ہو تو یقیناً تم ہی ہشام بن الحکم ہو۔ پھر اس نے مجھے سینہ سے لگایا اور اپنی مسند پر بٹھایا اور جب تک میں وہاں موجود رہا اس نے کوئی بات نہ کی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ سن کر مسکرانے لگے اور فرمایا: ہشام یہ باتیں تمھیں کس نے تعلیم دیں؟ اس نے کہا: مولا یہ سب آپ ہی کا فیضانِ نظر ہے۔ میں نے یہ باتیں آپ ہی سے سنی ہیں اور انھیں ایک خاص شکل میں ترتیب دیا ہے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم یہ بات صحائفِ ابراہیمؑ و موسیٰؑ میں لکھی ہوئی ہے۔

نعمت کو پہچان کر اس سے انکار کرنے والے

یعرفون نعمت اللّٰہ ثم ینکرو نہا و اکثرھم الکفرون

ترجمہ: ''یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر بھی اس کا انکار کرتے ہیں ان کی اکثریت کافر ہے''۔

(النحل آیت ۸۳)

اب میں ترجمے اور تفسیر میں دو ہستیوں میں تقابل کرتا ہوں آپ حضرات کو فرق صاف نظر آئے گا کہ ترجمہ اور تفسیر میں ناانصافی کس نے کی اور کس نے صاف اور سیدھا ترجمہ کیا ہے۔ ایک عالم ہے شیعہ اثنا عشری جس نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی ہے نے کی تفسیر کرنے والے کا نام ہے شیخ عبد علی الحویزی اور ترجمہ کرنے والے کا نام ہے حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری یہ بزرگ دونوں شیعہ اثنا عشری ہیں۔

جبکہ ایک اور بزرگ ہیں، جن کا نام سیّد مسعود احمد (بی ایس سی امیر جماعت المسلمین) ہے۔ انہوں نے تفسیر قران عزیز کے نام سے مکمل تفسیر لکھی ہے جز نمبر ۵ صفحہ ۹۳۴ میں انہوں نے مذکورہ آیت (سورۃ النحل آیت ۸۳) کا ترجمہ کیا ہے:

ترجمہ: ''یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں''۔

قارئین کرام سے میری گزارش ہے کہ پہلے ترجمے پر غور سے نظر ڈالیں اور پھر انصاف کریں کہ صحیح ترجمہ کس کا ہے نعمت اللّٰہ کا ایک ترجمہ ہے کہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں دوسرے نے ترجمہ کیا ہے اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں کیوں کہ نعمت ہے واحد کا صیغہ یعنی ایک نعمت اور نعمتوں کا صیغہ جمع ہے یعنی بہت ساری نعمتیں اب میں

آیت پر آتا ہوں و اکثرھم الکفرون اس کا ترجمہ علامہ محمد حسن جعفری نے کیا ہے ان کی اکثریت کافر ہے اور مسعود احمد بی ایس سی نے اس کا ترجمہ کیا کیا ہے۔ و اکثرھم الکفرون ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں یہ ترجمہ تب صحیح ہوتا، جب آیت یوں ہوتی و اکثرھم لایشکرون پھر یہ ترجمہ صحیح تھا۔ لفظ یشکرون نہیں ہے و اکثرھم الکفرون کا ترجمہ یہ صحیح ہوتا ہے کہ ان کی اکثریت کافر ہے۔ اب میں ان سے ضرور عرض کروں گا جن کے ہاتھوں میں یہ کتاب ہے آپ خود فیصلہ کریں کہ تفسیر نور ثقلین والے کا ترجمہ صحیح ہے یا تفسیر قرآن عزیز والے کا صحیح ہے یہ فیصلہ آپ خود کریں۔

یہاں تک تو بات تھی صرف ترجمہ کی حد تک اب میں آگے چل کر دونوں تفسیروں کا تقابل تفسیر میں کرتا ہوں شیخ عبد علی نے جو تفسیر نور ثقلین کی، کی ہے وہ معصومین کا فرمان ہے اور جو تفسیر قرآن عزیز والے مسعود احمد صاحب نے کی ہے وہ اپنی رائے سے کی ہے یا زیادہ سے زیادہ انہوں نے یہ کیا ہے کہ غیر معصوم سے روایات اخذ کی ہیں اس میں بھی ضرور آپ سے گزارش کروں گا کہ آپ خود فیصلہ کریں کہ معصوم سے روایت لینا درست ہے یا غیر معصوم سے، یہ بھی فیصلہ آپ پر چھوڑتا ہوں اور مجھے یہ امید ہے کہ آپ کا فیصلہ معصوم کے حق ہی میں ہوگا اب میں پہلے اس آیت ۸۳ کی تفسیر (مختصر تفسیر) قرآن عزیز مسعود احمد بی ایس سی کی پیش کرتا ہوں۔

یعرفون نعمت اللہ ثم ینکرونھا و اکثرھم الکفرون

ترجمہ: ''اللہ کی نعمتوں کو پہچانتے ہیں پھر بھی ان کا انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ ناشکرے ہیں''۔

یعنی اس منعم حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کے آستانوں پر پیشانی رکھتے ہیں شکر کا

تقاضا تو یہ تھا کہ جو انہیں نعمتیں دے رہا تھا اسی کے ہو جاتے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے لیکن اکثر لوگ اس تقاضے کو پورا نہیں کرتے اور کافر ہی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں اپنی قدرت کاملہ کی بہت سی نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے اور اپنی بہت سی نعمتوں کو جتلایا ہے مقصد اس کا یہ ہے کہ لوگ یہ جان لیں کہ ان باتوں کا کرنے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہ کوئی معبود ہے نہ کوئی حاجت روا اور مشکل کشا ہے اور نہ کوئی نذر و نیاز کا مستحق ہے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے بڑے مضبوط دلائل دیئے ہیں اور شرک کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے۔

(تفسیر قرآن عزیز جلد نمبر ۵ صفحہ ۹۴۱ مؤلف مسعود احمد بی ایس سی)

دیکھا آپ نے انہوں نے کیسی غلط بیانی سے کام لیا ہے اپنی طرف سے تاویل کر کے جان چھڑائی ہے نہ رسولِ اکرمؐ کی کوئی حدیث پیش کی ہے اور نہ کسی اور معصوم کا فرمان پیش کیا ہے صرف یہ اس لیے کیا کہ ولایت علیؑ کو چھپا کر لوگوں کو گمراہ کریں جب کہ اللہ تعالیٰ نے ولایت علیؑ کو روز روشن کی طرح بیان کیا ہے آگے میں ان شاء اللہ تفسیر نور ثقلین سے ولایت علیؑ کو معصومین کے فرامین سے ظاہر کروں گا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ قران میں ولایت علیؑ کا بھی ثبوت ہے اب میں اسی آیت کا ترجمہ اور تفسیر پیش کرتا ہوں۔

یعرفون نعمت اللہ ثم ینکرونھا واکثرھم الکفرون

”یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں ان کی اکثریت کافر ہے۔“

تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے ارشاد فرمایا: ''انھوں نے اللہ کی نعمت کو پہچان لیا تھا پھر انھوں نے انکار کیا تھا۔''

تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی نعمت اہل بیت ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

الم ترالی الذین بد لوا نعمت اللّٰہ کفرا

(ابراہیم، ۲۸)

''کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کے بدلے میں کفر کیا۔''

پھر آپؑ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم ہم اللہ کی وہ نعمت ہیں جو اس نے اپنے بندوں پر کی ہے اور جو بھی کامیاب ہوا وہ ہماری وجہ سے ہوا۔''

اصول کافی میں حضرت امام زین العابدینؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا کہ جب حضرت علیؑ کی شان میں یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی:

انما ولیکم اللّٰہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقمیون الصلوۃ ویوتون الزکوۃوھم راکعون

(سورۃ المائدہ، آیت ۵۵)

ترجمہ: ''بس تمھارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ اہل ایمان تمھارے ولی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔''

تو حضرت علیؑ کے کچھ سیاسی حریف مسجد میں جمع ہوئے اور انھوں نے ایک

دوسرے سے کہا کہ اس آیت کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟

ان میں سے بعض نے کہا اگر ہم اس آیت کا انکار کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمیں باقی آیات کا بھی انکار کرنا پڑے گا اور اگر ہم اسے تسلیم کرتے ہیں تو یہ ہمارے لیے ہمیشہ کی ذلت ہے اس طرح سے علیؑ ہم پر مسلط ہو جائے گا۔

اس وقت سب نے کہا ہم جانتے ہیں کہ محمدؐ اپنی بات میں سچے ہیں اب اس کا یہی حل ہے کہ ظاہر طور پر ہم علیؑ سے محبت رکھیں لیکن علیؑ کا کہنا نہ مانیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

یعرفون نعمت اللّٰہ ثم ینکرونھا

ترجمہ: ''وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں۔''

مقصد یہ ہے کہ انھیں علیؑ کی ولایت کی پہچان ہو چکی ہے وہ جان بوجھ کر اس کا انکار کر رہے ہیں و اکثر ھم الکفرون (۸۳) ان کی اکثریت ولایت کی منکر ہے۔

روز و شب اللہ کی نشانیاں

وَ جَعَلْنَا الَّیْلَ وَ النَّھَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَا اٰیَةَ الَّیْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّھَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوْا فَضْلاً مِّنْ رَّبِّکُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَلِحِسَابَ وَ کُلَّ شَیْءٍ فَصَّلْنَاہُ تَفْصِیلاً

(پ۱۵ بنی اسرائیل آیت۱۲)

ترجمہ: ''اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے پھر ہم رات کی نشانی کو مٹا دیتے ہیں اور دن کی نشانی کو روشن کر دیتے ہیں تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کر سکو اور ماہ و سال کا حساب معلوم کر سکو اور ہم نے ہر چیز کی تفصیل بیان کر دی ہے۔''

تفسیر عیاشی میں ابی بصیر سے منقول ہے کہ فمحونا ایۃ الیل سے وہ سیاہی مراد ہے جو جوف قمر میں دکھائی دیتی ہے نصر بن قابوس راوی ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''چاند پر تمہیں جو سیاہی نظر آتی ہے وہ محمد رسول اللہؐ کی عبارت ہے۔''

ابوالطفیل بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد کوفہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کا خطبہ سن رہا تھا کہ ابن الکواء نے آخری صف سے آواز دے کر کہا: امیر المومنینؑ یہ بتائیں چاند میں یہ سیاہی کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا: یہ سیاہی فَمَحَوْنَا ایَۃَ الَّیْلِ کی آیت کا اظہار ہے۔

ابوالطفیل سے دوسری روایت اس طرح مروی ہے کہ مسجد کوفہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے خطبے کے دوران ارشاد فرمایا: ''مجھ سے کتاب اللہ کے متعلق پوچھو میں قرآن کی ہر آیت جانتا ہوں کہ وہ رات میں نازل ہوئی یا دن میں نازل ہوئی۔ اس وقت ابن الکواء نے کہا کہ امیر المومنینؑ یہ بتائیں کہ چاند میں سیاہی کیسی ہے؟'' امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ایک دل کا اندھا سیاہی کے متعلق ہی سوال کر سکتا ہے۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا: فَمَحَوْنَا آیَۃَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَا ایٰتَ النَّھَارِ مُبْصِرَۃً یہ لیل کا محو ہونا ہے کتاب الخصال میں عبداللہ بن عمر سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا کہ میرے بھائی کو بلاؤ حضرت علیؑ کو بلایا گیا جب آپ آئے تو رسول اللہ کے ساتھ بیٹھ گئے اور نبی اکرمؐ اور حضرت علیؑ نے اپنے رخ دیوار کی طرف کر لیے اور اوپر چادر ڈال دی اردگرد لوگ جمع تھے کچھ دیر تک رسول اللہ ان سے سرگوشیاں کرتے رہے پھر حضرت علی علیہ السلام باہر

آئے تو ایک شخص نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کے نبیؐ نے آپؑ سے کچھ راز کی باتیں کہی ہیں؟

حضرت علیؑ نے کہا: جی ہاں انھوں نے میرے علم کا ایک ہزار باب کھولا ہے ہر باب میں ایک ہزار باب تھا: سائل نے کہا تو کیا آپؑ نے وہ سب باتیں یاد کرلی ہیں؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں نہ صرف یاد کی ہیں بلکہ سمجھی بھی ہیں اس نے کہا یہ بتائیں کہ چاند میں سیاہی کیسی ہے؟

آپؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ايَتَيْنِ فَمَحَوْنَا ايَةَ الَّيْلَ وَجَعَلْنَا ايَتَ النَّهَارَ مُبْصِرَةً

اس شخص نے کہا یا علیؑ آپ نے وہ علم یاد بھی کیے اور سمجھے بھی ہیں کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ عبداللہ بن یزید بن سلام نے حضرت رسول مقبولؐ سے پوچھا کہ سورج اور چاند ضیا پاشی اور روشنی میں برابر کیوں نہیں ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور اس کی کوئی نافرمانی نہیں کی اللہ تعالیٰ نے جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ وہ ضوئے قمر کو مٹا دے۔ جبرئیلؑ نے ضوئے قمر کو مٹایا اس کے مٹنے کی علامت چاند کے سیاہ دھبوں کی شکل میں دکھائی دیتی ہے۔ اگر چاند کے نور کو کم نہ کیا جاتا تو پھر رات دن کا پتا ہی نہ چلتا اور روزے دار کو علم نہ ہوتا کہ اس نے کتنے روزے رکھے ہیں اور لوگوں کو ماہ و سال کا اندازہ نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وجعلنا اليل والنهار ايتين فمحونا اية اليل و جعلنا اية النهار مبصرة لتبتغوا فضلا من ربكم و لتعلمو عدد السنين والحساب و كل

شی ء فصلنه تفصیلا

یہ سن کراس نے کہا: محمدؐ آپ نے سچ فرمایا۔ احتجاج طبرسی کی ایک طویل روایت میں یہ الفاظ بھی مرقوم ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب چاند بنایا تو اس پر لا الہ الا اللّٰہ محمد الرسول اللّٰہ علی امیر المومنین کے جملے لکھے اور چاند میں تمھیں جو سیاہی دکھائی دیتی ہے وہ یہی عبارت ہے۔ اصبغ بن نباتہ کہتے ہیں کہ ابن الکواء نے امیر المومنین علی علیہ السلام سے پوچھا کے چاند میں اندھیرا سا کیسے ہوتا ہے؟ امیر المومنین علی علیہ السلام نے دو بار اللہ اکبر کہہ کر فرمایا کہ ایک اندھا اندھیارے کے متعلق پوچھ رہا ہے کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا:

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ايَتَيْنِ فَمَحَوْنَا ايَةَ الَّيْلَ وَجَعَلْنَا ايَتَ النَّهَارَ مُبْصِرَةً

نہج البلاغہ میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: اس نے فلک کے سورج کو دن کی روشن نشانی اور چاند کو رات کی دھندلی نشانی قرار دیا ہے اور انھیں ان کی منزلوں پر چلا دیا ہے اور ان کی گزرگاہوں میں ان کی رفتار مقرر کر دی ہے تا کہ ان کے ذریعے سے شب و روز کی تمیز ہو سکے اور انہی کے اعتبار سے برسوں کی گنتی اور (دوسرے) حساب جانے جا سکیں۔

چار مقامات پر رسولؐ کے ساتھ علیؑ کا نام

کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے مجھ سے فرمایا: یا علی میں نے چار مقامات پر تیرے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا ہوا پایا اور تیرا نام دیکھ کر مجھے بڑا سکون محسوس ہوا:

۱) جب شبِ معراج میں بیت المقدس پہنچا تو وہاں چٹان پر یہ جملے لکھے ہوئے تھے:

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ ایدتہ بوزیرہ و نصرتہ بوزیرہ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور میں نے علیؑ کے ذریعے اس کی تائید و نصرت کی ہے۔ میں نے جبرئیل سے کہا، میرا وزیر کون ہے؟ انھوں نے کہا علیؑ بن ابی طالبؑ آپ کا وزیر ہے۔

۲۔ جب میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچا تو میں نے وہاں یہ جملے لکھے ہوئے دیکھے:

انی انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا وحدی محمد صفوتی من خلقی ایدتہ بوزیرہ و نصرتہ بوزیرہ

۳۔ جب میں سدرہ سے گزر کر عرش رب العالمین کے پاس پہنچا تو میں نے قوائم (عرش کے ستونوں) پر یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی:

انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا وحدی محمد حبیبی ایدتہ بوزیرہ و نصرتہ بوزیرہ

ترجمہ: میں اللہ وحدہ لاشریک ہوں میرے علاوہ کوئی معبود نہیں محمدؐ میرا حبیب ہے میں نے اس کی تائید و نصرت اس کے وزیر کے ذریعے کی ہے۔

۴۔ جب میں نے سر بلند کیا تو عرش کے درمیان یہ عبارت لکھی ہوئی دیکھی:

انا اللّٰہ لا الٰہ الا انا وحدی محمد عبدی و رسولی ایدتہ بوزیرہ و نصرتہ بوزیرہ

ترجمہ: میں ہی اللہ ہوں۔ میرے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ محمدؐ میرا عبد اور میرا رسول ہے، اس لیے اس کی تائید و نصرت اس کے وزیر سے کرائی ہے۔

ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت حبیب اللہؐ سے سنا کہ آپؐ نے

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ فضیلتیں عطا کی ہیں اور علیؑ کو بھی پانچ فضیلتیں عطا کی ہیں:

۱۔ جب مجھے معراج نصیب ہوئی، علیؑ کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے جو کچھ میں نے وہاں دیکھا علیؑ نے یہاں رہ کر وہ سب کچھ دیکھا۔

کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں وہب بن منبہ سے منقول ہے اس نے اپنے باپ سے نقل کیا، انھوں نے کہا، حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا: جس رات مجھے معراج ہوئی تو مجھے یہ ندا سنائی دی: یا محمد۔ میں نے کہا: **لبیک رب العظمة لبیک۔**

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی محمدؐ! ملائے اعلیٰ کس بات پر جھگڑ رہے تھے؟

میں نے عرض کیا: پروردگار مجھے کچھ معلوم نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمدؐ کیا تو نے انسانوں میں سے کسی کو اپنا بھائی، وزیر اور اپنے بعد وصی چنا ہے؟ میں نے عرض کیا: یا اللہ تو ہی بتا میں کسے مقرر کروں؟ میرے لیے اس کا انتخاب تو کر۔

(تفسیر نور ثقلین، ج ۵، ص ۱۵۹، علامہ شیخ عبد علی الحویزی)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ علیؑ تیرا جانشین ہے اور تیرے بعد تیرے علم کا وارث ہے اور قیامت کے دن تیرے پرچم ''لوائے الحمد'' کا اٹھانے والا وہی ہے اور تیرے حوض کا وہ مالک ہے تیری امّت کے مومن اس کے پاس حوض پر اتریں گے اور وہ انھیں سیراب کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی اور فرمایا: اے محمدؐ میں اپنی ذات کے لیے قسم کھا چکا ہوں کہ اس حوض سے تجھ سے اور تیرے، اہل بیت و ذریت سے بغض رکھنے والا پانی نہیں پیئے گا محمدؐ میں جو کہہ رہا ہوں وہ عین حق ہے میں تیری تمام امّت کو جنت میں داخل کروں گا البتہ میری مخلوق میں سے جو خود جنت میں جانے سے انکار کر دے تو اسے جنت میں داخل نہیں کروں گا۔

میں نے عرض کیا، پروردگار کیا کوئی جنت میں داخل ہونے سے بھی انکار کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی فرمائی کہ یا محمدؐ میں نے اپنی مخلوق میں سے تجھے چنا ہے اور میں نے تیرے بعد تیرے وصی کا انتخاب کیا اور میں نے اسے تجھ سے وہی نسبت دی ہے جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی لیکن تیرے بعد کوئی نبی نہیں ہے اور میں نے اس کی محبت تیرے دل میں ڈال دی ہے اور میں نے اسے تیری اولاد کا والد بنایا ہے تیرے بعد تیری امّت پر اس کا وہی حق ہے جو تیری زندگی میں تیری امّت پر تیرا حق ہے۔ جس نے اس کے حق کا انکار کیا اس نے تیرے حق کا انکار کیا، جس نے اس کی دوستی سے انکار کیا، اس نے جنت میں داخل ہونے سے انکار کیا۔

میں اللہ کے انعام پر اس کے حضور سجدے میں گر پڑا۔ اس وقت منادی نے ندا دی: اپنا سر سجدے سے اٹھاؤ اور مجھ سے سوال کرو میں عطا کروں گا۔ میں نے کہا: پروردگار میری تمام امّت کو علیؑ کی ولایت پر جمع کر دے تا کہ میری پوری امّت قیامت کے دن میرے حوض سے سیراب ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی اور فرمایا: میں لوگوں کی تخلیق سے بھی قبل ان کے متعلق اپنے فیصلے کر چکا ہوں اور میرا فیصلہ ان میں جاری ہو کر رہے گا۔ اس کے ذریعے میں جسے چاہوں گا ہلاک کروں گا اور جسے چاہوں گا منزلِ مقصود تک پہنچاؤں گا۔ میں نے تیرے بعد تیرا علم علیؑ کو دیا ہے اور میں نے اسے تیرا وزیر اور تیرے خاندان اور تیری امّت میں اسے خلیفہ مقرر کیا ہے۔ یہ میری طرف سے پختہ عہد ہے۔ چنانچہ جو بھی اس سے بغض رکھے اس سے دشمنی رکھے اور تیرے بعد اس کی ولایت کا انکار کرے میں اسے جنت میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ جس نے اس سے بغض رکھا تو گویا اس نے تجھ

سے بغض رکھا اور جس نے تجھ سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور جس نے اس سے دشمنی کی تو اس نے تجھ سے دشمنی کی اور جس نے تجھ سے دشمنی کی تو اس نے مجھ سے دشمنی کی اور جس نے اس سے محبت رکھی تو اس نے تجھ سے محبت رکھی اور جس نے تجھ سے محبت رکھی تو اس نے مجھ سے محبت رکھی میں نے اس کے لیے یہ فضیلت مقرر کر دی ہے۔ اس کے صلب میں سے میں گیارہ امامؑ پیدا کروں گا جو کہ بتول عذراؑ کی اولاد ہوں گے اور ان کا آخری فرد وہ ہوگا جس کے پیچھے عیسیٰؑ بن مریمؑ نماز پڑھے گا اور وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا۔ میں اس کے ذریعے سے لوگوں کو ہلاکت سے نجات دوں گا اور گمراہی سے نکال کر ہدایت دوں گا اور اندھوں کو بینائی اور بیماروں کو شفا دوں گا۔

عرش پر سنہرے الفاظ میں پنجتنِ پاک کے نام

لا الٰه الا اللّٰه محمد حبیب اللّٰه علی و لی اللّٰه و فاطمه امة اللّٰه الحسن و الحسین صفوة اللّٰه و علی بابغضهم لعنة اللّٰه.

(ا۔ تاریخ بغداد ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی ۲۔ فردوس الاخبار دیلمی ۳۔ میزان الاعتدال ۴۔ ارجع المطالب عبداللہ امرتسری)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں محمدؐ اللہ کے حبیب ہیں علیؑ اللہ کے ولی ہیں فاطمہؑ اللہ کی کنیز ہے حسنؑ اور حسینؑ اللہ کے چنے ہوئے ہیں اور خبردار جو بھی ان سے بغض رکھے گا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔

انبیاء کے گھروں سے زیادہ علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی فضیلت

واخرج بن مردویه عن انس بن مالک و بریدة قال قرا رسول

اللّٰہ ھذہ الایۃ فی بیوت اذن اللّٰہ ان ترفع ویذکر فیھا اسمہ یسح لہ فیھا بالغدو والاصال فقام الیہ رجل فقال ای بیوت ھذہ یا رسول اللّٰہ قال بیوت انبیاء فقام الیہ ابوبکر فقال یارسول ھذا البیت منھا البیت علی و فاطمہ نعم من افاضلھا۔

(سورۂ نور، آیت ۳۶ تفسیر در منثور جلد ۵ صفحہ ۹۱)

ترجمہ: ابن مردویہ سے منقول ہے ان سے روایت ہے اور بریدہ نے کہا رسولؐ اللہ نے یہ آیت پڑھی کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ گھروں کی عزت کرنے کا حکم دیا۔ ان گھروں میں اس کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے صبح اور شام پس ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا: یہ کس کے گھر ہیں یارسولؐ اللہ؟ فرمایا: انبیاءؑ کے گھر۔ پس حضرت ابوبکر کھڑے ہوئے اور کہا: یارسول اللہؐ (علیؑ و فاطمہؑ کے گھر کی طرف اشارہ کرکے کہا) یہ گھر بھی ان گھروں میں ہے؟ رسول اللہؐ نے فرمایا: ہاں بلکہ یہ ان گھروں سے افضل ہے۔

اب میں قارئین کرام سے پوچھتا ہوں جو گھر انبیاءؑ کے گھروں سے افضل ہو، اس گھر کی توہین کرنا کتنا بڑا جرم ہے یا اس گھر کو جلانا کتنا بڑا گناہ ہے۔ میں تو کہتا ہوں آگ لے جانا تو بہت بڑی بات ہے، تھوڑی سی بے ادبی کرنا بھی کفر ہے اور کفر کرنے والا جنت میں کبھی بھی نہیں جائے گا۔ اب میں مسلمانوں سے گزارش کرتا ہوں کہ آپ خود تحقیق کرلیں کہ جناب فاطمہؑ کے گھر کو آگ کس نے لگائی تھی اور جناب فاطمہؑ پر دروازہ کس نے گرایا تھا اور پسلیاں کس نے توڑی تھیں اور حضرت محسنؑ کس کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے اور جس نے حضرت محسنؑ کو شہید کیا وہ یزید سے کم نہیں ہے۔

اسی لیے تو حضرت ابوبکر نے کہا تھا کہ کاش میں خلیفہ نہ ہوتا اور جناب فاطمہؑ کے

گھر کی تلاشی نہ لیتا اور کاش میں فجاراسلمیٰ کو نذر آتش نہ کرتا یا تو میں اسے جلدی قتل کرتا یا اسے جلدی سے آزاد کرتا۔

(تاریخ یعقوبی جلد۲ صفحہ ۱۳۷ ۱ تاریخ طبری جلد۲ صفحہ ۲۷۵)

حضرت ابوبکر کے یہ الفاظ کہ فاطمہؑ کے گھر کی تلاشی نہ کراتا، پس ان سے پتا چلا کہ اس جرم میں حضرت ابوبکر کے ہاتھ ڈوبے ہوئے ہیں ورنہ یہ الفاظ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو وہی کہہ سکتا ہے جو اس جرم میں ملوث ہو۔ میں نے کتاب ہٰذا میں پہلے لکھ دیا ہے کہ کون آگ لے گیا تھا اس کا نام بھی لکھ دیا ہے یہ فدک والے اور بیعت والے مسئلے میں درج ہے۔

حضرت سلمانؓ سے زادان روایت کرتا ہے کہ جناب رسولؐ اللہ نے فرمایا: اے سلمانؓ جس نے میری بیٹی فاطمہؑ کو دوست بنایا وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا اور جس نے اس سے دشمنی کی وہ جہنم میں جائے گا۔ اے سلمانؓ فاطمہؑ سے محبت کرنے والے کو ایک نفع ہر ایک جگہ پر پہنچے گا ان جگہوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ موت ۔۲۔ قبر ۔۳۔ میزان ۔۴۔ صراط اور قیامت کا حساب۔

"جس شخص سے میری بیٹی فاطمہؑ راضی ہوگی میں بھی اس سے راضی اور جس سے میں راضی اللہ بھی اس سے راضی ہوگا اور جس سے فاطمہؑ ناراض ہوگی اس سے میں ناراض ہوں گا اور جس سے میں ناراض ہوں، اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا۔ اے سلمانؓ بڑی خرابی ہے اس شخص کے لیے جس نے فاطمہؑ پر اور فاطمہؑ کے شوہر علیؑ پر ظلم کیا اور اس کے لیے بھی بڑی خرابی ہے جس نے اس کی اولاد پر اور ان کے شیعوں پر ظلم کیا۔"

(مودۃ القربیٰ ۲۔ ینابیع المودۃ)

علاماتِ ظہورِ امام مہدیؑ

میں نے عرض کیا: پروردگار! اس کا ظہور کب ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب علم اٹھ جائے جہالت غالب آ جائے، پڑھنے والے زیادہ اور عمل کرنے والے کم رہ جائیں دنیا میں کثرت سے قتل ہونے لگے ہدایت دینے والے فقیہ کم رہ جائیں اور گمراہی پھیلانے والے فقیہ کثرت میں ہوں اور خیانت کرنے والوں کی کثرت ہو جائے شعراء کی کثرت ہو جائے اور لوگ اپنی قبروں کو مسجد کا درجہ دے دیں اور قرآن کو مزیّن کیا جائے اور مساجد کو زیب و زینت دی جائے اور ظلم و فساد بڑھ جائے اور برائیاں کھل کر ہونے لگیں اور تیری امت بھی گمراہی کا حکم دینے لگے اور نیکی سے منع کرنے لگے اور مرد مردوں پر قناعت کرنے لگ جائیں اور عورتیں عورتوں پر قناعت کرنے لگیں اور جب آپ کی امّت کے حکام کافر اور ان کے دوست فاجر اور ان کے مددگار ظالم اور ان کے اہلِ رائے فاسق ہوں گے، اس زمانے میں تین بار زمین دھنسے گی ایک بار مشرق میں ایک بار مغرب میں اور ایک بار جزیرۃ العرب میں۔ اس زمانے میں آپ کی نسل کے ایک فرد کے ہاتھوں بصرہ تباہ ہوگا اور آپ کی نسل کے فرد کی پیروی کرنے والے زنگی ہوں گے اور اولاد حسینؑ بن علیؑ میں سے ایک شخص خروج کرے گا اور سرزمین مشرق سجستان سے دجال خروج کرے گا اور سفیانی نمودار ہوگا۔ میں نے عرض کیا پروردگار میرے بعد یہ فتنے کب ظاہر ہوں گے؟ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی فرمائی اور مجھے بنی امیّہ اور بنی عباس کے فتنوں سے آگاہ کیا اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے اس کے متعلق بھی باخبر کیا۔ جب میں زمین پر آیا تو میں نے اپنے ابن عم (یعنی علیؑ سے) اس کی وصیت کی اور میں نے پیغام پہنچا دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اور میں

بھی اس کی ویسی ہی حمد کرتا ہوں جیسا کہ مجھ سے پہلے ہر نبی نے حمد کی تھی اور جس طرح سے اس کی تمام مخلوق اس کی حمد کر رہی ہے۔

عبدالسلام بن صالح ہروی (ابو علت) راوی ہیں کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث نقل کی جس کا آخری حصہ یہ ہے جب مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو میں نے جبرئیلؑ سے کہا: میں تم سے سبقت کروں اور آگے بڑھوں؟ جبرئیلؑ نے کہا: جی ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرامؑ کو تمام ملائکہ پر فضیلت دی ہے اور بزم انبیاءؑ میں آپ کو خصوصی فضیلت دی ہے چنانچہ میں آگے بڑھا اور میں نے انھیں نماز پڑھائی اس پر میں فخر نہیں کرتا۔ جب میں نور کے حجابوں تک پہنچا تو جبرئیلؑ نے مجھ سے کہا محمدؐ آپ آگے بڑھیں یہ میری آخری حد ہے۔ جو خدا نے یہاں میرے لیے مقرر کی ہے اگر میں اس سے آگے بڑھا تو خدا کی مقرر کردہ حد عبور کرنے کی وجہ سے میرے پر جل جائیں گے۔ اس وقت مجھے بڑی تیزی سے نور میں ڈال دیا گیا پھر جہاں تک خدا چاہتا تھا میں اس کی سلطنت میں چلا گیا اس وقت مجھے یہ ندائے قدرت سنائی دی۔

محمدؐ تو میرا عبد ہے اور میں تیرا رب ہوں لہٰذا میری ہی عبادت کر اور مجھ پر ہی توکل کر۔ تو میرے بندوں میں میرا نور ہے اور میری مخلوق کی طرف تو میرا رسولؐ ہے اور میری مخلوق میں تو میری حجت ہے تیرے پیرو کے لیے میں نے اپنی جنت بنائی ہے اور تیرے نافرمانوں اور تیرے مخالفین کے لیے میں نے دوزخ بنائی ہے اور تیرے اوصیاء کو میں نے عظمت دی ہے اور تیرے شیعوں کے لیے میں نے اپنا ثواب لازمی قرار دیا ہے۔ میں نے عرض کیا: یا اللہ میرے اوصیاء کون ہیں؟ آواز آئی تیرے اوصیاء کے نام

ساق عرش پر لکھے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے رب کے حضور کھڑے ہو کر ساقِ عرش کو دیکھا تو مجھے وہاں بارہ نور نظر آئے اور ہر نور میں سبز رنگ کی سطر تھی۔ ان سطروں میں میرے اوصیاء کے نام لکھے گئے تھے ان کا پہلا فرد علیؑ بن ابی طالبؑ اور آخری فرد میری امّت کا مہدیؑ تھا۔ میں نے عرض کیا: پروردگار کیا یہی میرے اوصیاء ہیں؟ ندائے قدرت بلند ہوئی: محمدؐ یہ میرے اولیاء اور میرے حبیب اور میرے صفی اور تیرے بعد میری مخلوق پر میری حجت ہیں اور یہ تیرے اوصیاء و خلفاء ہیں اور تیرے بعد یہی میری افضل ترین مخلوق ہیں۔ مجھے اپنی عزت و جلالت کی قسم! میں انھی کے واسطے سے اپنے دین کو غلبہ دوں گا اور انھی کے ذریعے سے اپنے کلمے کو بلند کروں گا اور ان کے آخری فرد کے ذریعہ سے میں اپنی زمین کو اپنے دشمنوں سے پاک کروں گا اور اسے زمین کے مشارق و مغارب کا مالک بناؤں گا اور میں اس کے لیے ہواؤں کو مسخر کروں گا اور سرکش گردنوں کو اس کے سامنے جھکا دوں گا۔

میں اس کے اسباب میں ترقی دوں گا اور اپنے لشکر سے اس کی مدد کروں گا اور اپنے ملائکہ سے اس کی امداد کروں گا یہاں تک کہ میری دعوت کو فروغ حاصل ہوگا اور پوری مخلوق میری توحید پر جمع ہو جائے گی۔ پھر میں اس کی سلطنت کو طول دوں گا اور قیامت آنے تک اپنے دوستوں میں ہی حکومت و اقتدار کو گردش دیتا رہوں گا۔

علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج نصیب ہوئی اور نماز کا وقت ہوا اور حضرت جبرئیلؑ نے اذان و اقامت کہی اور نماز کے لیے صفیں بندھیں تو جبرئیلؑ نے کہا: محمدؐ آگے بڑھیں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: جبرئیلؑ آگے آئیں۔ جبرئیلؑ نے عرض کیا: جس

دن سے ہم سے آدمؑ کا سجدہ کرایا گیا ہے اس دن سے ہم بنی آدمؑ کے آگے کھڑے نہیں ہوتے۔

ہشام بن الحکم کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ افتتاح نماز میں سات تکبیریں کیوں افضل قرار دی گئیں؟ اور رکوع میں **سبحان ربی العظیم و بحمدہ** سجدے میں **سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ** کیوں پڑھا جاتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا ہشام اللہ تعالیٰ نے آسمان سات بنائے، زمینیں سات پیدا کیں اور حجاب بھی سات بنائے۔ جب آنحضرتؐ کو معراج ہوئی تو آپؐ مقام قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے۔ پھر آپؐ کے سامنے حجابات آئے اس وقت رسولؐ اللہ نے تکبیر کہی اور وہ کلمات کہے جو افتتاح اوّل میں پڑھے جاتے ہیں اس وقت پہلا حجاب ہٹا پھر آپ تکبیر کہتے گئے اور حجاب ہٹتے گئے یہاں تک کہ آپؐ نے سات تکبیریں کہیں اور ساتوں حجاب ہٹ گئے۔ اس لیے افتتاح نماز میں سات تکبیریں مسنون قرار پائیں اور پھر جب آپؐ نے عظمت پروردگار کا مشاہدہ کیا تو آپؐ کے اعصاب کانپ اٹھے اور گھٹنوں کے بل جھکے اس وقت آپ نے **سبحان ربی العظیم و بحمدہ** کہا۔ پھر آپؐ رکوع سے سیدھے کھڑے ہوئے تو آپؐ نے اس سے بھی زیادہ عظمت الٰہی کا مشاہدہ کیا تو آپ سجدے میں چلے گئے اور آپؐ نے **سبحان ربی الاعلی و بحمدہ** کہا جب آپ نے سات تکبیریں کہیں تو وہ رعب و دبدبہ رک گیا۔ اسی لیے سات تکبیریں سنّت قرار پائیں۔ اسحاق بن عمار کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ مولا یہ بتائیں ایک رکعت کے دو سجدے کیوں ہیں

اور اگر دو سجدے ہی کرنے تھے تو انھیں دو رکعات شمار کیوں نہیں کیا گیا؟ امام علیہ السلام نے فرمایا اگر پوچھ ہی لیا ہے تو پوری توجہ سے جواب بھی سن لے رسولؐ خدا نے جو پہلی نماز پڑھی تھی وہ وہی تھی جو انھوں نے عرشِ خداوندی کے سامنے خدا کے حضور پڑھی تھی اور یہ نماز آپؐ نے شب معراج پڑھی تھی۔ جب آپؐ عرش الٰہی کے قریب گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمدؐ صاد (عرش کے قریب پہنچے والا چشمہ) کے قریب جاؤ اور اعضائے وضو دھو کر اپنے رب کی نماز پڑھو۔

حضرت رسول اکرمؐ صاد پر تشریف لے گئے اور وضو کیا پھر خدا کے سامنے کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نماز شروع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا: محمد بسم اللہ سے لے کر پوری سورۂ فاتحہ پڑھو۔ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی پھر اللہ نے حکم دیا کہ میری توحید خالص بیان کرو آپؐ نے قل ھو اللہ احد کی تلاوت کی پھر آپؐ نے تین بار کذا لک اللہ ربی کہا۔ پھر خدا نے فرمایا کہ اب رکوع کرو آپ نے رکوع کیا اس کے بعد آپ نے سبحان ربی العظیم وبحمدہ کی تین بار تسبیح پڑھی۔ پھر آپ رکوع سے سیدھے کھڑے ہوئے تو خدا نے فرمایا کہ اب سجدہ کرو۔ پھر کہا: اب سجدہ سے سر اٹھاؤ اور سیدھے بیٹھ جاؤ آپ جیسے ہی بیٹھے تو آپؐ نے جلال پروردگار کا تصور کیا تو آپؐ دوسری بار بھی سجدے میں چلے گئے۔

جب آپؐ دوسرے سجدے سے اٹھے تو خدا نے فرمایا: محمدؐ کھڑے ہو جاؤ اور دوسری رکعت بھی اسی طرح سے پڑھو، جیسا کہ تم نے پہلی رکعت پڑھی ہے آپؐ نے قیام و رکوع کیا پھر سجدے میں گئے۔ پہلے سجدے سے سر اٹھایا تو جلال الٰہی کے مشاہدے کی وجہ سے دوسرے سجدے میں چلے گئے رکعت کا دوسرا سجدہ آنحضرتؐ نے اپنی طرف سے

کیا تھا، حکم الٰہی نہیں تھا دوسرے سجدے سے فارغ ہوئے تو خدا نے فرمایا: اب سجدے سے سر اٹھاؤ، خدا تمہیں ثابت قدم رکھے اور یہ تشہد پڑھو:

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَنَّ السَّاعَةِ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَ اَنَّ اللّٰـهَ يُبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَ تَرْحَمْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ وَبَارَكْتَ وَتَرْحَمْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ شَفَاعَتَهٗ وَ اَرْفَعْ دَرَجَتَهٗ

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمدؐ اب سلام کرو۔ آنحضرتؐ نے نگاہیں نیچی کیں اور بڑے ادب سے السلام کہا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف آپ کو یہ آواز سنائی دی: وعلیک السلام یا محمد۔ محمدؐ تم پر بھی سلام ہو۔ میں نے اپنی نعمت سے تجھے اپنی اطاعت کی قوت دی اور میں نے اپنی عصمت سے تجھے نبی اور حبیب بنایا۔

پھر حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جو نماز فرض کی تھی، اس کی دو رکعتیں تھیں اور اس میں دو سجدے تھے جیسا کہ میں تجھے بتا چکا ہوں کہ نبی اکرمؐ نے اپنے رب کی عظمت کے پیش نظر ایک ایک سجدہ زیادہ کیا تھا۔ اللہ نے اسے فرض بنا دیا۔ پھر میں (راوی) نے پوچھا کہ وہ صاد کیا ہے، جس سے آنحضرتؐ کو وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا؟ آپؐ نے فرمایا: وہ ایک چشمہ ہے جو عرش کے ارکان میں سے ایک رکن سے جاری ہوتا ہے۔ اسے آبِ حیات کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

والقرآن ذی لذکر

(اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو حکم دیا تھا کہ) وہ وضو کریں اور قرأت کریں اور نماز پڑھیں۔

(سورۂ ص، آیت ۱)

حضرت حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''شب معراج میرے پسینے کا ایک قطرہ گرا، اس سے گلاب پیدا ہوا اور گلاب کا ایک پھول پیدا ہوا۔ وہ پھول سمندر میں گرا، اس کو کھانے کے لیے مچھلی بڑھی اور دعموص بھی بڑھا۔ مچھلی کہتی تھی کہ پھول پر میرا حق ہے اور دعموص کہتا تھا کہ اس پر میرا حق بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کو منصف بنا کر بھیجا اور اس نے کہا: تم آپس میں مت لڑو اس کے دو حصے کرلو ایک حصہ مچھلی کا ہے اور ایک حصہ دعموص کا ہے۔

(وضاحت: دعموص سمندر میں رہنے والا ایک جاندار ہے)

جہر و اخفات

من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ محمد بن عمران نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ نماز جمعہ نماز مغرب کی پہلی دو رکعات اور نماز فجر میں بلند آواز سے قرأت کیوں کی جاتی ہے اور باقی نمازوں میں خاموشی سے قرأت کیوں کی جاتی ہے؟ اور آخری دو رکعات میں تسبیح قرأت سے کیوں بہتر ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: شب معراج اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر جو سب سے پہلی نماز فرض کی وہ جمعہ کے دن کی نماز ظہر تھی۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے ملائکہ کو آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اپنے نبیؐ سے فرمایا کہ تم بلند آواز سے نماز پڑھو تا کہ فرشتے آپؐ کی فضیلت سے آگاہ ہو سکیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر عصر فرض کی تو اس میں کوئی فرشتہ نازل نہیں کیا اور

آنحضرتؐ کو حکم دیا کہ وہ اس نماز کو دل میں آہستہ سے پڑھیں کیوں کہ آپؐ کے پیچھے کوئی مقتدی نہیں تھا پھر اللہ تعالیٰ نے آپ پر مغرب کی نماز فرض کی اور کچھ ملائکہ کو آپؐ کی اقتدا لیے بھیجا اور آپ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے نماز پڑھو اور عشاء کے وقت بھی ایسا ہی ہوا۔ نماز فجر کے قریب آپؐ زمین پر تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر نماز فجر فرض کی اور آپ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے اس نماز کو پڑھیں تاکہ جس طرح سے فرشتوں کے سامنے آپؐ کی عزّت ظاہر ہوئی اسی طرح سے انسان بھی آپ کی عظمت کا مشاہدہ کر سکیں۔ اسی وجہ سے ان نمازوں میں قرأت بلند آواز سے کی جاتی ہے اور ظہر و عصر اور عشاء کی آخری دو رکعات اور نماز مغرب کی آخری ایک رکعت میں تسبیح قرأت سے افضل ہے کیوں کہ جب نبی اکرمؐ ان رکعات تک پہنچے تھے تو آپؐ نے عظمت خداوندی کا اس قدر مشاہدہ کیا کہ حیران رہ گئے تھے۔ آپ نے اس وقت **سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر** پڑھا تھا اسی لیے ان رکعات میں یہ تسبیح قرأت سے افضل قرار پائی۔

کتاب معانی الاخبار میں انس سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شب معراج میں نے ایک ستون دیکھا جس کا ابتدائی حصہ سفید چاندی اور اس کا درمیانی حصہ یاقوت و زبرجد کا اور آخری حصہ سرخ رنگ کے سونے کا تھا۔ میں نے جبرئیلؑ سے کہا: یہ کیا ہے؟ اس نے کہا: یہ آپؐ کے دین کو تمثیلی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ اس ستون کی طرح سے آپؐ کا دین بھی روشن اور واضح ہے۔ میں نے کہا: اس کا درمیان کیسا ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا: یہ آپؐ کے دین میں جہاد کی علامت ہے۔ میں نے پوچھا کہ یہ سرخ سونا کیسا ہے؟ جبرئیلؑ نے عرض کیا: اس سے ہجرت مراد ہے

اور علیؑ کا ایمان باقی تمام مومنین کے ایمان سے بلند و بالا ہے۔

اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا: شب معراج حضرت جبرئیلؑ ایک مقام پر رک گئے تھے رسولؐ خدا نے فرمایا کہ یہاں آ کر مجھے اکیلا چھوڑ دو گے؟

جبرئیلؑ نے عرض کیا: آپ سفر جاری رکھیں آپ ایسی جگہ پر پہنچ چکے ہیں جہاں آپ سے پہلے کسی انسان کا قدم نہیں آیا۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام بنایا اس کے لیے ایک صحن بنایا اور اس کے لیے نور بنایا اور اس کے لیے قلعہ بنایا اور اس کا مددگار بنایا۔ اسلام کا صحن قرآن کریم ہے اور اسلام کا نور حکمت ہے اور اس کا قلعہ بھلائی کرنا ہے اور اسلام کے مددگاروں میں میرے اہلبیتؑ اور ہمارے شیعہ ہیں۔ لہٰذا میرے اہلبیتؑ اور ان کے شیعہ اور مددگاروں سے محبت کرو کیونکہ جب میں آسمانِ دنیا پر پہنچا اور جبرئیل نے اہل آسمان کے سامنے تعارف کرایا تو اللہ تعالیٰ نے میرے اور میرے اہلبیتؑ اور ان کے شیعہ اور ان کے مددگاروں کے ساتھ محبت کرنا میری امّت کے اہل ایمان افراد کے دلوں میں ودیعت کیا۔ میری امّت کے اہل ایمان روز قیامت تک میری اس امانت کی حفاظت کریں گے۔ اگر میری امّت کا کوئی فرد روز قیامت تک خدا کی عبادت کرتا رہے لیکن جب خدا کے سامنے آئے اور میرے اہل بیتؑ اور میرے شیعوں کا دشمن ہو تو اس کے دل میں منافقت کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ شب معراج جب آنحضرتؐ بیت المعمور پر پہنچے اور نماز

کا وقت ہوا تو جبریل امینؑ نے اذان و اقامت کہی۔ رسول اللہؐ نے جماعت کرائی، تمام انبیاؑء اور آدھے ملائکہؑ نے آپ کی اقتدا میں نماز پڑھی۔

مسجدِ کوفہ کی فضیلت

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ہارون بن خارجہ سے فرمایا: اے ہارون بن خارجہ! یہ بتاؤ کہ تمہارے اور مسجد کوفہ کے درمیان کتنے میلوں کا فاصلہ ہے؟ اس نے عرض کیا: کچھ بھی فاصلہ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: تو کیا تم تمام نمازیں وہیں ادا کرتے ہو؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ آپؑ نے فرمایا کہ اگر میں مسجد کوفہ کے قریب ہوتا تو میں ہر نماز اس میں ادا کرتا کیا تجھے معلوم ہے کہ اس مقام کی فضیلت کیا ہے؟ اگر نہیں تو سن لو کہ تمام نیک بندوں اور انبیاؑء نے مسجد کوفہ میں نماز پڑھی ہے اور جب رسول اکرمؐ کو معراج ہوئی تو ایک جگہ جبریلؑ نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ آپ اس وقت مسجد کوفہ کے سامنے جا رہے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی، براق رک گیا اور آپ نیچے تشریف لائے اور مسجد کوفہ میں نماز ادا کی۔

عقیدۂ تشبیہ کی نفی

تفسیر علی بن ابراہیم میں احمد بن محمد بن ابی نصر سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ امام علی رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: تمہارے اور ہشام بن الحکم کے شاگردوں کے درمیان توحید کے متعلق کیا اختلاف ہے؟ میں (راوی) نے عرض کیا: ہم خدا کے لیے صورت کے قائل ہیں کیونکہ حدیث معراج میں کہا گیا ہے کہ رسول خداؐ نے اللہ تعالیٰ کو ایک جوان کی صورت میں دیکھا تھا اور اس کے برعکس ہشام بن الحکم جسم کی نفی کا عقیدہ

رکھتا تھا۔ یہ سن کر حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا: احمد شب معراج جب رسول اللہؐ مقام سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپؐ کے لیے حجاب میں سے سوئی کی نوک کے برابر ایک چھید نمودار ہوا اور پھر جتنا خدا کو منظور تھا اتنا آپؐ نے نور عظمت کا مشاہدہ کیا اور تم لوگوں نے تشبیہ کا ارادہ کرلیا۔

احمد: ان باتوں کو چھوڑ دو تم ان سے کوئی امر عظیم حاصل نہ کرسکو گے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: شب معراج میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں یاقوت سُرخ سے بنایا ہوا ایک محل دیکھا اور وہ اتنا صاف تھا کہ باہر سے اندر کا حصہ دکھائی دیتا تھا اور اندر سے باہر کے مناظر دکھائی دیتے تھے۔ اس میں موتی اور زبرجد کے دو گھر تھے۔ میں نے جبریلؑ سے کہا کہ یہ محل کس کے لیے ہے؟ انھوں نے کہا: یہ گھر اس کے لیے ہے جو مسلسل روزے رکھے اور لوگوں کو کھانا کھلائے اور جب لوگ رات کے وقت سوئے ہوں تو وہ اس وقت اُٹھ کر نماز تہجد ادا کرے۔

ابنِ سنان کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارواح سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا میثاق لیا تھا تو حضرت رسول اکرمؐ نے سب سے پہلے بلیٰ کہا تھا اور اس سبقت کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ تمام خلقت میں سے اللہ کے زیادہ قریب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شب معراج جبریلؑ نے آپ سے کہا تھا کہ آپ نے اس جگہ کو طے کیا ہے جہاں پر آج تک کسی ملک مقرب اور کسی نبی مرسل کا قدم نہیں آیا۔ اگر آپ کے نفس اور آپ کی روح کا اس جگہ سے تعلق نہ ہوتا تو آپ اس جگہ پر کبھی پہنچ نہیں سکتے اور آپ اللہ تعالیٰ کے اتنے قریب تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قربت کو فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی سے تعبیر کیا ہے۔

ابن سکان راوی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب آنحضرتؐ کو معراج ہوئی تو انہیں وحی میں حضرت علیؑ کی عظمت وشرف کے متعلق خبر دی گئی، جب آپ بیت المعمور پر پہنچے اور انبیاؑء کو نماز پڑھائی تو آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیا یہ فضیلت کچھ زیادہ تو نہیں ہے۔ اُس وقت وحی نازل ہوئی:

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَا اِلَیْكَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَؤُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَآئَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ

ترجمہ: اگر آپؐ کو ہماری نازل کردہ وحی میں کوئی شک ہے تو آپ ان سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتابیں پڑھتے تھے۔ آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق ہی آیا ہے۔ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ بننا۔

(سورۂ یونس، آیت ۹۴)

مقصد یہ ہے کہ آپ انبیائے سابقینؑ سے بھی یہ بات دریافت کر سکتے ہیں کہ ہم نے ان کی کتابوں میں بھی حضرت علیؑ کی فضیلت بیان کی تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا کی قسم نہ تو رسولِ خداؐ کو شک ہوا اور نہ ہی آپؐ نے سوال کیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہؐ حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کو بہت پیار کیا کرتے تھے۔ حضرت بی بی عائشہ کو کچھ تعجب سا ہوا کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا: عائشہ جب مجھے معراج ہوئی اور میں جنت میں داخل ہوا تو جبریلؑ مجھے شجرۂ طوبیٰ کے قریب لے گئے اور مجھے اس کے پھل کھلائے۔ میں نے پھل کھائے تو وہ مادّۂ منویہ میں تبدیل ہوئے جب میں زمین پر آیا تو میں نے خدیجہؑ سے مقاربت کی۔ اس وجہ سے فاطمہؑ حمل میں آئیں۔ میں جب بھی اپنی بیٹی کو پیار کرتا ہوں تو مجھے اس سے شجرۂ طوبیٰ کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔

ابوالربیع بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے ساتھ اُس سال حج کیا، جس سال ہشام بن عبدالملک بھی حج پر آیا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ حضرت عمر کا آزاد کردہ غلام نافع بھی تھا۔ نافع نے دیکھا کہ امام محمد باقرؑ رکن بیت اللہ کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور لوگ اُن کے گرد جمع ہیں۔ نافع نے ہشام سے کہا: امیر المومنین یہ کون ہے جس کے ارد گرد اتنی مخلوق جمع ہے؟ ہشام نے کہا: یہ اہلِ کوفہ کا امام محمدؑ بن علیؑ بن حسینؑ بن علیؑ ابن ابی طالبؑ ہے۔ نافع نے یہ سنا تو اس نے کہا: پھر میں اس کے پاس جاتا ہوں اور اس سے ایسا سوال کروں گا جس کا جواب یا نبی دے سکتا ہے یا وصی دے سکتا ہے؟

ہشام نے کہا: ضرور جاؤ، ان سے سوال کرو۔ ممکن ہے اس طرح سے ہم اسے شرمندہ کرسکیں۔ نافع چلا اور عوام النّاس کے مجمع میں گھستا ہوا امام علیہ السلام کے قریب آیا اور اس نے کہا: محمدؑ بن علیؑ، میں نے تورات، انجیل، زبور اور قرآن کریم پڑھا ہے اور میں ان کتب کے حلال و حرام سے اچھی طرح واقف ہوں۔ میں آپ سے چند مسائل پوچھنے کے لیے آیا ہوں اور یہ وہ مسائل ہیں، جن کا جواب یا تو نبیؐ دے سکتا ہے یا نبیؐ کا وصیؑ دے سکتا ہے یا پھر اس کا فرزندان کا جواب دے سکتا ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جو تیرے جی میں آئے وہ پوچھ۔ نافع نے کہا یہ بتائیں حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمدؐ کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کے متعلق میں تمہارا قول بتاؤں یا اپنا۔ نافع نے کہا: آپ دونوں اقوال بیان فرمائیں۔ امامؑ نے فرمایا: میرے قول کے مطابق پانچ سو سال کا فاصلہ ہے، جبکہ تمہارے قول کے مطابق چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔

نافع نے کہا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا اجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ الِهَةً يَعْبُدُوْنَ

آپ اُن رسولوں سے پوچھیں، جنہیں ہم نے آپ سے پہلے روانہ کیا ہے، کیا ہم نے رحمٰن کے علاوہ بھی کوئی معبود بنائے ہیں؟

(سورۂ زخرف، آیت ۴۵)

اب سوال یہ ہے کہ اگر نبی اکرمؐ رسولوں سے سوال نہیں کرتے تو آیت پر عمل نہیں ہوتا اور اگر سوال کرنا چاہیں تو ان کے اور حضرت عیسیٰؑ کے درمیان پانچ سو برس کا فاصلہ ہے۔ آخر اس آیت کا مقصد کیا ہے؟

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: یہ آیت شب معراج میں نازل ہوئی۔ جب پروردگار عالم نے بیت المقدس میں تمام انبیائے کرامؑ کو جمع کیا پھر حکم خداوندی سے جبریل نے اذان واقامت کہی اور اس نے اپنی اقامت میں "حیّ علٰی خیر العمل" بھی کہا۔ پھر رسول اکرمؐ آگے بڑھے، اپنے انبیاءؑ ومرسلینؑ کو نماز پڑھائی۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا

آپ اُن رسولوں سے پوچھیں جنہیں ہم نے آپ سے پہلے روانہ کیا ہے

اُس وقت رسول مقبولؐ نے گروہ انبیاءؑ سے پوچھا کہ تم کیا گواہی دیتے ہو کہ کس کی عبادت کرتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسولؐ ہیں۔ ہم سے یہی عہد و میثاق لیا گیا تھا۔

نافع نے یہ جواب سن کر کہا: ابو جعفرؑ آپ نے سچ کہا ہے۔

وضاحت

حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

رسول اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: شب معراج میں جنت میں گیا تو وہاں میں نے کچھ خالی قطعات زمین دیکھے، جن پر ملائکہ محل تعمیر کرتے ہیں اور ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی لگا رہے تھے۔ کسی وقت وہ کام بند کر کے بیٹھ جاتے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے، آپ کسی وقت کام کرتے ہیں اور کسی وقت کام سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ جب تک مالک کی طرف سے اس کا خرچ نہ آئے ہم محل کو کیسے جاری رکھ سکتے ہیں۔

میں نے کہا کہ مکانِ جنت کا وہ خرچہ کیا؟ ہے انھوں نے کہا: جب کوئی مومن دنیا میں رہ کر سبحان اللّٰہ والحمد للہ ولا الہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر کہتا ہے تو ہم کام شروع کر دیتے ہیں اور جب وہ خاموش ہو جاتا ہے تو ہم بھی رک جاتے ہیں۔

تفسیرِ عیاشی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: شب معراج رسول اللہؐ نے عشاء کی نماز مکہ میں پڑھی تھی اور صبح کی نماز بھی آپؐ نے مکہ ہی میں پڑھی تھی۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ابو سعید خدری نے بیان کیا کہ جب سفرِ معراج سے آنحضرتؐ زمین پر واپس تشریف لائے تو آپ نے جبریل امین سے کہا کہ آپ کی کوئی حاجت ہو تو مجھے بتائیں؟ جبریل امینؑ نے عرض کیا: میری ایک ہی حاجت ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور میری طرف سے خدیجہؑ کو سلام پہنچانا۔

چنانچہ حضرت رسول اکرمؐ نے جناب خدیجہؑ کو اللہ اور جبریلؑ کے سلام پہنچائے تو حضرت خدیجہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی سلام ہے اور اسی کی طرف سے سلامتی ہے اور سلام کا سفر اسی کی طرف ہے اور میری طرف سے جبریلؑ پر بھی سلام ہوں۔

اللہ سمیع و بصیر

اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ

ترجمہ: ''بے شک وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

اصول کافی میں ابی بصیر سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا۔ آپؑ فرمایا کرتے تھے: ہمارا رب اللہ تعالیٰ ازل سے ہے۔ علم اس کی ذات ہے۔ جب کوئی معلوم نہ تھا اور سمع (سننا) اس کی ذات ہے جب کوئی مسموع نہ تھا اور بصر (دیکھنا) اس کی ذات ہے۔ جب کوئی مبصر نہ تھا قدرت اس کی ذات ہے جب کوئی مقدور نہ تھا۔ جب اس نے اشیا کو پیدا کیا اور معلوم واقع میں آ گیا تو اس وقت اس کا علم معلوم پر واقع ہوا اور سمع مسموع اور بصر مبصر پر اور قدرت مقدور چیز واقع ہوگئی۔ میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ ازل سے متحرک ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے، کیونکہ حرکت فعل کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ میں نے کہا: کیا متکلم ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: کلام صفت محدثہ ہے۔ ازلی نہیں ہے اللہ تعالیٰ اس وقت سے ہے جب کوئی متکلم موجود نہ تھا۔

کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے، جس میں یہ جملے بھی موجود ہیں کسی زندیق نے امامؑ سے خدا کی ذات و صفات کے متعلق بحث کرتے ہوئے کہا: اللہ سمیع و بصیر ہے؟ امام علیہ السلام نے فرمایا:

اللہ سمیع (سننے والا) ہے لیکن وہ سننے کے لیے حاسۂ گوش کا محتاج نہیں ہے اور اللہ بصیر (دیکھنے والا) ہے لیکن وہ دیکھنے کے لیے حاسۂ چشم کا محتاج نہیں ہے۔ وہ سنتا ہے تو اپنی ذات سے اور دیکھتا ہے تو اپنی ذات سے۔ اور یاد رکھو میرے ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اور ہے اور اس کا نفس اور ہے میں نے تو یہ الفاظ صرف ادائے مطالب کے لیے ادا کیے ہیں کیونکہ مجھ سے سوال کیا گیا ہے۔ بہرنوع وہ سمیع و بصیر، علیم وخبیر ہے۔ اس میں ذات اور معنی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ حضرت امام علیؑ سے یہ الفاظ منقول ہیں۔ وہ اس وقت رب تھا جب کوئی مربوب نہ تھا وہ اس وقت معبود تھا جب کوئی عابد نہ تھا اور وہ اس وقت عالم تھا جب کوئی معلوم نہ تھا اور وہ اس وقت سمیع تھا جب کوئی مسموع نہ تھا۔ وہ سمیع ہے لیکن کسی آلے کے ساتھ نہیں اور وہ بصیر ہے لیکن کسی حاسے کے ساتھ نہیں ہے۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی ایک طویل حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ ہمارا رب سمیع ہے لیکن ہماری طرح سے نہیں ہے، کیونکہ ہم جس عضو سے سنتے ہیں اس سے دیکھ نہیں سکتے اور جس سے دیکھتے ہیں اس سے سن نہیں سکتے۔ اگرچہ سمیع و بصیر جیسے الفاظ کا اطلاق ہم پر بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بھی ہوتا ہے لیکن ان کا مفہوم جدا جدا ہے۔

ابو ہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے کسی نے کہا: ہمارے رب کو سمیع کیوں کہا گیا؟

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا خدا کے سمیع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز بھی کانوں سے سنی جاسکتی ہے خدا ایسی تمام آوازوں کا عالم ہے۔ اس کے سمیع ہونے کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ اس کے سر میں ہماری طرح سے کان لگے ہوئے ہیں اور جب ہم اس کو بصیر کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ حاسۂ چشم سے جو بھی رنگ اور اشیا دکھائی

دیتی ہیں خدا ان سب کو جانتا ہے لیکن وہ حاسۂ چشم کا محتاج نہیں ہے۔

محمد بن مسلم راوی ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ عراق میں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ دیکھتا کسی اور چیز سے ہے اور سنتا کسی اور چیز سے ہے جس سے سنتا ہے اس سے دیکھتا نہیں اور جس سے دیکھتا ہے اس سے سنتا نہیں ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا ان لوگوں نے جھوٹ کہا، الحاد کیا ہے اور خدا کی تشبیہ کا عقیدہ رکھا، جب کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں پاک و پاکیزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے وہ جس سے دیکھتا ہے، اسی سے سنتا ہے اور جس سے سنتا ہے اسی سے دیکھتا ہے۔ میں (راوی) نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ حاسۂ چشم سے ہی بصیر ہے۔ آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔ حواس کا محتاج تو وہ ہوتا ہے جس میں مخلوق کی صفت ہو جبکہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں ہے۔

حماد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: مولاؑ یہ بتائیں کیا خدا ازل سے عالم تھا؟ آپؑ نے فرمایا: جب معلوم ہی نہ ہو تو عالم کیسا؟ میں نے کہا کیا وہ ازل سے سمیع ہے؟ آپؑ نے کہا جب مسموع ہی نہ ہو تو سمیع کیسا؟ میں نے کہا تو کیا وہ ازل سے بصیر ہے؟ آپ نے کہا جب مبصر ہی نہ ہو تو پھر بصیر کیسا؟ پھر آپؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ازل سے علیم، سمیع اور بصیر تھا لیکن وہ بالقوہ تھا بالفعل نہ تھا۔

عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس میں آپؑ نے یہ کلمات بھی فرمائے۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے اور اس

کی مخلوقات کی آواز اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ عرش سے فرش تک تمام مخلوق کی صدا کو سنتا ہے صدا خواہ ذرّہ کی ہو یا اس سے بڑی کسی چیز کی ہو صدا خشکی میں بلند ہو یا تری میں اور وہ تمام زبانوں کو جانتا پہچانتا ہے۔ جب ہم اسے سمیع کہتے ہیں تو وہ حاسۂ سماعت کا محتاج نہیں ہوتا۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا بصیر ہے۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا ہے لیکن ظاہری آلات کا محتاج نہیں ہے۔ اگر کسی سیاہ چٹان پر سیاہ رات میں کوئی سیاہ ذرہ پڑا ہوا ہے تو وہ اُس سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر تاریک رات میں کوئی چیونٹی چل رہی ہے تو اس کا چلنا بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ وہ اس کے نقصانات بھی دیکھتا ہے۔ ان کے فوائد بھی دیکھ رہا ہے اور ان کا عملِ تولید بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے اور ان کے انڈے اور بچے بھی اس کی نظر میں ہیں جب ہم اسے بصیر کہتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ دیکھنے کی صفت میں مخلوق سے مشابہ ہے۔

حسین بن خالد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سنا کہ آپ کہتے تھے اللہ تعالیٰ ازل سے علیم، قادر، جبار، قدیم، سمیع اور بصیر ہے۔ میں نے عرض کیا فرزند رسولؐ کچھ لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ علم کی وجہ سے عالم ہے۔ قدرت کی وجہ سے قادر ہے اور حیات کی وجہ سے حیّ ہے اور سماعت کی وجہ سے سمیع اور بصارت کی وجہ سے بصیر ہے۔ امامؑ نے فرمایا: جو شخص یہ کہے اور اس کا عقیدہ رکھے تو اس نے خدا کے ساتھ بہت سے معبود بنا دیے ہیں اور اس کا ہماری ولایت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ازل سے ذاتی طور پر علیم، قادر، حیّ، قدیم، سمیع اور بصیر ہے۔ اللہ تعالیٰ مشرکین کی گفتگو سے بلند و بالا ہے اور تشبیہ دینے والوں کی تشبیہات سے بہت عظیم ہے۔

''نہج البلاغہ'' میں ہے کہ اللہ اُس وقت بھی بصیر تھا جب کہ اُس کی مخلوق میں قابلِ بصارت کوئی چیز بھی نہیں تھی۔ ''نہج البلاغہ'' ہی میں یہ کلمات مرقوم ہیں۔ اس کے علاوہ ہر سننے والا باریک آوازوں کے سننے سے قاصر ہے اور زیادہ آواز اس کے کانوں کے پردے پھاڑ کر اسے بہرا بنا سکتی ہے اور دور کی آواز سننے سے کان قاصر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر دیکھنے والا مخفی رنگوں اور لطیف اجسام کے ادراک سے قاصر ہے۔ خدا سمیع ہے لیکن حاسے کے ساتھ نہیں اور بصیر ہے آلے کے اختلاف سے نہیں۔ وہ بصیر ہے لیکن اس کا وصف حاسہ کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا۔

امیرِ کائنات اور نماز

تفسیر عیاشی میں ابو حمزہ ثمالیؒ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِکَ کی آیت مجیدہ کے متعلق سوال کیا۔ آپؑ نے فرمایا: اس کی تفسیر یہ ہے کہ علیؑ کی ولایت کو بلند آواز سے بھی بیان نہ کرو اور میں نے علیؑ کو جو عزت عطا کی ہے اسے بلند آواز سے بیان نہ کرو اور اخفات بھی نہ کرو یعنی جو اس سے وہ فضائل مت چھپاؤ۔ میں نے اسے جو عزت عطا کی ہے اسے اس سے باخبر رکھو۔

جابر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے وَلاَ تَجْهَرْ بِصَلاَتِکَ کی تفسیر دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا: علیؑ کی ولایت کو بلند آواز سے مت بیان کرو۔ پس وہ نماز میں ہے اور میں نے علیؑ کو جو اعزاز و اکرام دیا ہے اسے بلند آواز سے بیان نہ کرو اور اخفات بھی نہ کرو یعنی خود علیؑ سے یہ باتیں مت چھپاؤ۔ میں نے اسے جو عزت دی ہے اسے اس سے باخبر رکھو اور جہاں تک آیت وَابْتَغِ بَيْنَ ذَالِکَ سَبِيْلاً کا تعلق ہے تو خدا یہ کہہ رہا ہے کہ تم مجھ سے ولایتِ علیؑ کو بلند آواز سے بیان کرنے کا سوال کرتے رہو

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو غدیرِ خم میں اس کے اظہار کی اجازت دی تھی اور اس دن آنحضرتؐ نے کہا تھا:

مَنْ كُنْتُ مَوْلاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلاهُ اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ

''جس جس کا میں مولا ہوں، اُس اُس کا علیؑ مولا ہے۔ اے اللہ جو اس سے محبت رکھے تو بھی اس سے محبت رکھ اور جو اس سے عداوت رکھے تو بھی اس سے عداوت رکھ۔''

''بصائر الدرجات'' میں ابوحمزہ ثمالیؒ سے منقول ہے کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ کی آیت کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: علیؑ کے فضائل کو علیؑ سے مت چھپاؤ۔ میں نے اسے جو عزت دی ہے اسے اس سے باخبر رکھو اور وَابْتَغِ بَيْنَ ذَالِكَ سَبِيلاً سے یہ مراد ہے کہ تم مجھ سے سوال کرتے رہو کہ میں تمہیں علیؑ کی ولایت کا کھل کر اظہار کرنے کا حکم دوں۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے غدیر خم میں اس کی اجازت دی تھی۔

(تفسیر نور الثقلین، ج ۵، ۲۹۴، بحوالہ تفسیر برہان)

التماس

قارئین کرام سے ملتمس ہوں کہ اس کتاب ''معرفتِ ماتم وفدک (چند موضوعاتِ گراں)'' کو غور سے پڑھیں۔اگر کوئی غلطی نظر آئے تو مطلع کریں ان شاءاللہ آئندہ اشاعت میں تصحیح کی جائے گی۔

قارئین کرام سے ایک گزارش ہے کہ میری کتاب ''معرفتِ حق'' کا اب بحمداللہ تیسرا ایڈیشن آنے والا ہے، جس میں دورِ حاضر کے اہلِ تشیّع پر اعتراض کیے جاتے ہیں۔ہر مسئلے کا جواب برادرانِ اہلسنّت کی کتابوں سے دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے جسے پڑھ کر لوگوں نے مذہب حقّہ یعنی اہل بیتؑ کے دروازے پر سرِ تسلیم خم کرلیا ہے۔سیکڑوں کی تعداد میں جنت کے راستے پر آچکے ہیں۔

مجھے اس کتاب ''معرفتِ حق'' پر فرسٹ پرائز ایوارڈ بھی ملاّ تھا اور ان شاءاللہ اس پروگرام کا لکھا ہوا عکس بھی اس کتاب میں شامل کیا جائے گا۔''معرفت حق'' کو جلد از جلد خرید کر اپنے دوست احباب تک پہنچائیں۔جلد ہی آپ کے ہاتھوں تک ناچیز کی تیسری کتاب بھی پہنچنے والی ہے۔جس کا نام ہے ''معرفتِ صحابہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں''۔

مومنین کرام سے گزارش ہے کہ ان کتابوں کی اشاعت کے سلسلے میں راقم الحروف سے تعاون کریں اور مذہب کی ترویج واشاعت میں حصہ لے کر اپنے آپ کو چہاردہ معصومینؑ کی بارگاہ میں سرخرو کریں۔آمین ثم آمین

عبدالحفیظ حیدری پھنور
مصنف کتاب
ایوب کالونی مٹھائی محلّہ لاڑکانہ

ایک قاری کا خط

مولانا عبدالحفیظ پنہور کی خدمات

سید قمر حسنین نقوی

بحمداللہ مذہب حقہ کی حقانیت کی واضح دلیل ہے کہ ہر دور میں حضرت حر علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے حق کے متلاشی دروازۂ اہلبیتؑ کو نجات کا در سمجھ کر آتے رہے ہیں۔ حضرت علامہ اسماعیل دیوبندی، حضرت قاضی سعید احمد، علامہ تاج الدین حیدری، علامہ وزیر حسین ترابی اور بے شمار علماء، دانشور اور عوام دروازۂ حضرت زہراؑ کی توہین، حق کا غصب ہونا اور خلافت، حقدار کو نہ ملنے کے شواہد پاکر سرِ تسلیم خم کیے بغیر نہیں رہتے کیونکہ ہر عقلمند جانتا ہے کہ قبر، برزخ، قیامت اور پل صراط سخت منازل ہیں۔ جہاں پر ہر انسان کو اپنا عقیدہ و عمل خود ہی ظاہر کرنا اور حساب دینا ہے۔ کوئی مولوی کوئی مذہبی جماعت کا رہبر یا ماسٹر مائنڈ مدد نہیں کرے گا۔ اِن مشکل مراحل میں چہاردہ معصومین علیہم السلام بالخصوص شیرِ خدا حضرت علیؑ اور اولادِ مولا علیؑ ہی کام آئے گی۔

پاکستان کے نامور عالمِ دین جنہوں نے دنیا بھر میں ۲۲ سے زائد متلاشیانِ حق کو راہِ حق دکھلائی اور ہیوسٹن میں تو لوگوں کے دلوں پر اپنی انکساری اور خلوص کی وجہ سے راج کرتے ہیں، میری مراد جناب مولانا سیّد محمد عون نقوی کی طرف ہے جنہوں نے ہمیں حرِ زمانہ مولانا عبدالحفیظ پنہور صاحب کی کتاب ''معرفتِ حق'' پڑھنے کو دی، جس سے ظاہر ہوا کہ مولانا پنہور صاحب نے کہاں کہاں جا کر دین کی حقیقت اور جنت کا راستہ تلاش کرنا چاہا اور آخر وہاں ہی آئے جہاں سب کو آنا چاہیے۔ مولانا پنہور صاحب قابلِ تعریف، قابلِ تحسین اور عزت و قدر کے لائق ہیں، جنہوں نے دنیا کی دولت، معاشرے کی ہزیمت، اعزّہ و اقرباء کی مخالفت کی پروا

کیے بغیر حضرت امام حسینؑ ابن علیؑ ابن ابوطالبؑ کا راستہ چنا اور یقیناً اُخروی نجات کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کو راستہ فراہم کیا جو کہ جنت میں جانا چاہتے ہیں لیکن معاشرہ اُنہیں دروازۂ اہلبیتؑ سے دور کیے ہوئے ہے۔ میں تمام مومنین سے التماس کروں گا کہ مولانا موصوف کی ہر ممکن مدد کریں۔ کتابوں کی اشاعت میں معاونت کریں اور حوصلہ افزائی فرمائیں۔ خدا اِن کی توفیقات میں اضافہ فرمائے۔ آمین

میں سوچ ہی رہا تھا علاجِ غمِ حیات
بے ساختہ کسی نے کہا ماتمِ حسینؑ

والسلام

سیّد قمر حسنین نقوی

کتابیات

۱۔	قرآن حکیم	
۲۔	تفسیر ابن کثیر	حافظ اسماعیل بن عمر دمشقی المعروف حافظ ابن کثیر ۷۷۴ھ
۳۔	المعجم الصفیر الطبرانی	
۴۔	معارج النبوۃ	فدا معین کاشفی
۵۔	صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ
۶۔	نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی ۳۰۳ھ
۷۔	الادب المفرد	طبری
۸۔	صحیح مسلم	امام مسلم ابن احجاج قشیر متوفی ۲۶۱ھ
۹۔	مسند ابی طوانہ	امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق متوفی ۳۱۶
۱۰۔	تمغہ اثناء عشری	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
۱۱۔	سنن ابی داؤد	امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ
۱۲۔	مقامات حریر	
۱۳۔	سیرت حلبیہ	مصنف علامہ بمعی ابن برہان الدین حلبی
۱۴۔	تفسیر کبیر	علامہ فخر الدین رازی
۱۵۔	عقد الفرید	شہاب الدین مالکی
۱۶۔	کنز العمال	علی متقی بن حسام الدین بن قاضی عبدالملک ہندی متوفی ۹۷۵ھ
۱۷۔	سیرت النبی ہشام	
۱۸۔	تاریخ طبری	
۱۹۔	البدایہ والنہایہ	ابن کثیر شامی متوفی ۷۷۴ھ
۲۰۔	تاریخ خمیس	شیخ حسین بن دیار طبری مالکی
۲۱۔	تاریخ ابوالفداء	
۲۲۔	تاریخ کامل	ابن اثیر متوفی ۶۳۰ھ
۲۳۔	شرح صحیح مسلم	
۲۴۔	وسائل شیعہ	شیخ محمد بن الحسن الحر العاملی
۲۵۔	تاریخ بغداد	ابوبکر احمد بن علی خطیب بغدادی ۴۶۳ھ متوفی
۲۶۔	جواہر الکلام	
۲۷۔	ارشاد المعتبریں	

۲۸۔ تفسیر نور ثقلین — معی بن جمعہ
۲۹۔ تاریخ ابن کثیر شامی — حافظ اسماعیل بن عمر دمشقی المعروف ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ
۳۰۔ کتاب الاقامت و والسیاست
۳۱۔ تاریخ حبیب السیر
۳۲۔ مروج الذہب الذہب — مسعودی
۳۳۔ رد الستعیاب الاستعاب — عبداللہ بن ابی تماخر ابوبکر
۳۴۔ اردو ترجمہ اذ افتر الخلفا ما اثر ابوبکر ابی شخذ کی روضۃ المناظر
۳۵۔ عقد الفرید — ابن عبداللہ
۳۶۔ فتوح البلدان — بلاذری
۳۷۔ صواعق محمد قمر — ابن حجر مکی
۳۸۔ وفاء الوفا — سید نور الدین سمودی
۳۹۔ شرح کتاب الاکتفا — الابراہیم بنی عبداللہ الوصابی
۴۰۔ نہج البلاغہ — مطبوعہ مصر
۴۱۔ روفی الائف — علامہ سہیلی
۴۲۔ الفاروق — مطبوعہ مفید عام آگرہ
۴۳۔ در المنثور — جلال الدین السیوطی
۴۴ انسان العیون فی سیرت الامین المامون — علی بن برہان الدین
۴۵۔ طبقات ابن سعد
۴۶۔ مسند امام احمد بن حنبل — امام احمد بن محمد بن طنبل متوفی ۲۴۱ھ
۴۷۔ موطا امام مالک — امام مالک بن انس الحمی متوفی ۱۷۹ھ
۴۸۔ الاستیعاب — ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ
۴۹۔ مسند ابوداؤد طیالیسی
۵۰۔ اشقۃ اللمعات — شیخ عبدالحق محدث دہلوی
۵۱۔ مستدرک
۵۲۔ الااستیعاب — ترجمہ
۵۳۔ ریاض النضرہ — امام محب الدین طبری متوفی ۶۹۴ھ
۵۴۔ حیوۃ الحیوان
۵۵۔ کتاب الامامت والسنہ — ابن قتیبہ
۵۶۔ البلاغ المبین

۵۷۔ تاریخ ابن یرشامی
۵۸۔ تاریخ ابن خلدون (حافظ ولی الدین عبدالرحمٰن بن محمد المعروف ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ)
۵۹۔ کتاب نحلی ابن حزم اندلسی
۶۰۔ تفسیر ابن جریر طبری
۶۱۔ نیل الاوطار شوکانی
۶۲۔ الفاروق شبلی نعمانی
۶۳۔ کتاب مناقب آل ابی طالب ابن شہر آشوب
۶۴۔ سیرت النبویہ والاثار محمدیہ احمد منالبی وحلان
۶۵۔ حلیۃ الاولیا
۶۶۔ طبقات الاقفیا مطبوعہ طیف السعادۃ بجواز محافظہ مصر
۶۷۔ کتاب المناقب مطبوعہ بمبئی
۶۸۔ کتاب سیرت فاطمۃ الزہرا آغا محمد سلطان مرزا دہلوی
۶۹۔ المیان الشیعہ محسن الامین آملی
۷۰۔ اصول کافی
۷۱۔ تفسیر قرآن عزیز مصنف مسعود احمد بی ایس سی
۷۲۔ تفسیر عیاشی
۷۳۔ تفسیر علی بن ابراہیم
۷۴۔ کتاب کمال الدین وتمام النعمہ ابوجعفر محم بن عفی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی الصدوق متوفی ۳۸۱ھ
۷۵۔ فردوس الافقار دیلمی
۷۶۔ میزان الاعتدال
۷۷۔ ارجع المطالب شیخ عبداللہ حنفی امرتسری بسمل
۷۸۔ تاریخ یعقوبی
۷۹۔ مودۃ یعقوبی
۸۰۔ نیابیع المودۃ سلیمان بن ابراہیم بلغمی قندوزی متوفی ۱۲۹۳ھ
۸۱۔ من لایحضر الفقیہ ابوجعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن موسیٰ بن بابویہ القمی لقب صدوق ۳۸۱ھ

(۱) المعجم الصفیر طبرانی (۲) الادب المفرد طبری (۳) مقامات حریر (۴) سیرت ابن ہشام
(۵) تاریخ طبری (۶) تاریخ ابوالفداء (۷) شرح صحیح مسلم